اردو املا اور رسم الخط

اصول و مسائل



ڈاکٹر فرمان فتحپوری
شعبہ اردو جامعہ کراچی

اُردو اِملا اور رسم الخط

(اصول و مسائل)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری

شعبۂ اردو جامعہ کراچی

سنگِ میل پبلی کیشنز، چوک اردو بازار، لاہور

تعدادِ اشاعت ——— ایک ہزار

بار اوّل ——— مارچ ۷۷ء

قیمت ——— دس روپے

طابع: نذیر حسین ندرت پرنٹرز۔ لاہور

ناشر: نیاز احمد سنگِ میل پبلی کیشنز
چوک اردو بازار، لاہور

فہرست مضامین

انتساب

استاذی پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے نام

فرمان فتح پوری

کتاب سے پہلے

یہ کتاب دو طویل مقالوں پر مشتمل ہے، دونوں اساسی طور پر اُردو زبان کے ایسے پہلو سے تعلق رکھتے ہیں جسے عام طور پر ہمارے یہاں کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی اور لوگ یہ کہہ کر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ املا اور رسم الخط تو زبان کے لباس کا درجہ رکھتے ہیں۔ ہمیں ان کی بحث میں پڑھنے کی یوں ضرورت نہیں کہ ہم کسی وقت بھی انھیں تراش خراش کر اپنے مزاج کے مطابق بنا سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مغالطہ ہے جس نے صرف یہی نہیں کہ اردو کی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکائے ہیں بلکہ ذہنوں کو کئی طرح کی الجھنوں میں ڈالا ہے۔ میرے نقطۂ نظر سے یہ دونوں موضوعات اردو زبان کے سلسلے میں حد درجہ اہم ہیں اور جو لوگ ان پر پوری طرح سوچ بچار کر سکتے ہیں۔ انھیں ان سے سرسری نہ گزرنا چاہئے۔ املا اور رسم الخط دونوں زبان کے جسم کا لباس نہیں بلکہ عین جسم و جِلد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا حُسن و جمال ان کی نفاست و شائستگی اور ان کی صحت و پختگی نہ صرف یہ کہ زبان کے حسن و جمال اور نفاست و شائستگی پر دلالت کرتی ہے بلکہ جو لوگ اس زبان کو استعمال کرتے ہیں ان کے ذوق و ذہن کو بڑھنے میں بھی مدد دیتی ہے۔

میں نے املا اور رسم الخط کی اسی اہمیت کے پیشِ نظر ان پر بار بار غور کیا ہے اور جو کچھ سمجھ میں آیا ہے لکھا ہے پہلا مضمون جون ۱۹۵۱ء کے نگار (لکھنؤ) میں شائع ہوا تھا۔ پھر ان موضوعات پر وقفے وقفے سے مختلف حلقوں کی طرف بحث مباحثے کا آغاز ہوا۔ بہت سے صاحبانِ علم و فکر نے حصہ لیا میں بھی ان کی تحریروں کو دیکھتا رہا، ان پر غور کرتا رہا اور کچھ نہ کچھ لکھتا رہا۔ اس کتاب کے دونوں مقالے دراصل اسی طویل سلسلۂ مطالعہ اور غور و فکر کی آخری شکلیں ہیں۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا اس سے پہلے بھی میرے ان مضامین کے بعض اجزا مطبوعہ صورت میں منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ رسم الخط کے مسائل پر مشتمل طویل مضمون، میری کتاب "زبان اور اردو زبان" مطبوعہ

قمر کتاب گھر کراچی، میں شامل ہے۔ زیرِ نظر مضمون اسی کی توسیعی و تکمیلی صورت ہے، یعنی ۱۹۷۲ء کے بعد بھی اس ترمیم و اضافہ ہوا ہے۔ اُردو املا سے متعلق مضمون ۱۹۷۳ء میں سندھ ٹکسٹ بورڈ کے ایما پر مرتب کیا گیا تھا۔ اور اس کی ایک نقل بھی بورڈ کے ایک ذمہ دار رکن کے سپرد کردی گئی تھی۔ لیکن بعد میں کچھ واقعات اس طرح کے رونما ہوئے کہ بورڈ نے نہ تو اس کو کتابی شکل میں شائع کیا اور نہ مجھے مسودہ ہی واپس مِلا۔ لیکن چونکہ اس کی ایک نقل جناب شان الحق حقی صاحب کے پاس محفوظ تھی اور انھیں اس موضوع سے خاص دلچسپی بھی تھی اس لئے انھوں نے پوری توجہ سے اس کا جائزہ لینے کے بعد "اردو نامہ" شمارہ پچاس بابت مارچ ۱۹۷۵ء میں اسے شائع کردیا۔ اب یہی مقالہ اس نمبر کا ایک حصّہ ہے۔

ہمارے یہاں اُردو رسم الخط کے مسئلے پر جتنی توجہ دی گئی ہے اردو اِملا پر نہیں دی گئی۔ حالانکہ میرے نزدیک، اس وقت اردو املا کے سلسلے میں جتنی غور و فکر کی ضرورت ہے اردو رسم الخط کے سلسلے میں نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اردو رسم الخط کے سلسلے کی بحثیں بڑی حد تک تھم گئی ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے طے پا گئی ہیں لیکن اُردو اِملا میں آج جس قسم کا نراج اور انتشار کام کر رہا ہے وہ اردو کے حق میں مہلک ہے اور ہمدردانِ اُردو کی خصوصی توجہ چاہتا ہے یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ املا کے قواعد و اصول بنیادی طور پر زبان ہی کے قواعد و اصول ہیں۔ جب تک یہ قواعد و اصول مرتّب و مقرّر نہ ہوں اور زبان کے رسم الخط یا تحریر میں ان کی پابندی نہ کی جائے حقیقی معنوں میں نہ تو کوئی زبان ترقی کر سکتی ہے اور نہ اس کا کوئی بلند معیار قائم ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ دنیا کی ساری ترقی یافتہ زبانوں میں املا (SPELLING) کے ضابطوں کی سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ کسی لفظ کا تلفّظ (PRONUNCIATION) اپنے مروّج املا سے خواہ کتنا ہی مختلف کیوں نہ ہو لیکن اس کا جو املا (SPELLING) مقرر ہے اور متعین ہے اسے اسی طرح لکھیں گے مثلاً انگریزی کے الفاظ ہائی (HIGH) رف (ROUGH) اور کمیٹی (COMMITTEE) وغیرہ کو لے لیجئے۔ ان کے تلفظ کا ان کے املا سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔ اس کے باوجود انھیں اسی طرح لکھا جاتا ہے۔ اس قسم کے ضابطوں سے انگریزی اِملا میں آپ کسی طرح کا کوئی انحراف نہیں کر سکتے۔

یہی صورت دوسری ترقی یافتہ زبانوں کی ہے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اردو کی جانب نہ پہلے کوئی توجہ دی گئی اور نہ آج خاطر خواہ دی جا رہی ہے۔ اول تو اس کے اصول ہی معین نہیں ہیں۔ کچھ ہیں بھی تو ویکجا نہیں کہ عام و خاص سب ان سے استفادہ کر سکیں یا کتابت وہ طباعت میں ان کی پابندی کی جا سکے۔ جس کا جس طرح جی چاہتا ہے اور اردو املا کو آسان بنانے کے بجائے بھول بھلیاں بنا رہا ہے۔ اس بے راہ روی اور من مانی کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اردو املا میں ایک لفظ کو کئی کئی طرح سے لکھنے کا رواج ہو گیا ہے۔ چند مثالیں دیکھئے۔

۱۔ کُوا۔ کواں۔ کنوا۔ کنواں۔

۲۔ پانو۔ پانوں۔ پاوں۔ پاؤں۔

۳۔ گانو۔ گانوں۔ گاوں۔ پاوٗں۔

۴۔ انھیں۔ انہیں۔ انہوں۔ تمھیں، تمہیں۔

۵۔ منہ۔ منھ۔ موں۔ مونھ

۶۔ کیجے۔ کیجئے۔ لیجے۔ لیجئے۔

۷۔ گائے۔ گائے۔ ناو۔ ناؤ۔

۸۔ سابن۔ سابون۔ صابن۔ صابون۔

۹۔ مسالا۔ مسالہ۔ مصالہ۔ مصالحہ۔

۱۰۔ ابتداے شوق۔ ابتدائے شوق۔

۱۱۔ جز۔ جزو۔ جزء۔

۱۲۔ علیٰحدہ۔ علاحدہ۔ علحدہ۔

۱۳۔ سیکڑا۔ سینکڑا۔ سیکڑہ۔ سینکڑہ۔

۱۴۔ اس کے لئے۔ کس کے لئے۔ کسواسطے۔ کس واسطے۔ جس کے لئے۔ جس کے لیے۔

۱۵۔ پہنچنا۔ پہونچنا۔ ٹھہرنا۔ ٹھیرنا۔ ٹہرنا۔

ان مثالوں سے اردو املا کی اس افرا تفری کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے جو آج کی معیاری غیر معیاری۔ صحافتی اور ادبی ہر قسم کی تحریر میں نظر آتی ہے۔ حروف کی اشکال۔ شوشے

اور جوڑ تو سرے سے قابل توجہ ہی نہیں سمجھے جاتے۔ ایک حرف سے دوسرے حرف سے بغیر کسی قاعدے کے آزادانہ ملا دیا جاتا ہے۔ ابتدائی جماعتوں سے لے کر یونیورسٹی کے طلبہ تک ایک حرف کو دوسرے سے جس طرح چاہتے ہیں ملا دیتے ہیں۔ مثلاً

(الف) بس۔ بستی۔ بصارت۔ بقایا کو بس۔ بستی۔ بصارت۔ بقایا لکھتے ہیں۔

(ب) انسان۔ نسیم۔ نقوش۔ نفرت۔ نشان کو انسان۔ نسیم۔ نقوش۔ نفرت نشان لکھتے ہیں۔

(ج) یقین۔ یونس۔ ایسا۔ ایقان کو یقین یونس۔ ایسا۔ ایقان لکھتے ہیں

آج کے طالب علموں یا فارغ التحصیل نوجوانوں کو عام طور پر یہ معلوم ہی نہیں کہ "ب" "ن" اور "ی" کے دوسرے حرفوں سے کس طرح ملا کر لکھے جاتے ہیں اور اردو کے حروف تہجی جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہاں کہاں اور کیا کیا شکلیں بدلتے ہیں۔ یا اردو تحریر میں رموز اوقاف اور بعض دوسری علامتوں کا استعمال کہاں کہاں ہوتا ہے۔ معلوم بھی کیسے ہو۔ اس قسم کی باتیں نہ انھیں بتائی گئیں اور نہ کسی جگہ ان کے مطالعے میں آئیں۔ پہلے یہ ہوتا تھا کہ مکتبوں اور ابتدائی مدرسوں میں کئی سال تک تختیوں پر لکھنے کی مشق کرائی جاتی تھی خوش خطی کی کاپیاں اس پر مزید تھیں۔ پہلے الگ الگ حروف پھر انھیں ایک دوسرے سے ملا کر لکھوایا جاتا تھا املا الگ سے بولا جاتا تھا۔ معلم ہر طالب علم کا کام روزانہ فرداً فرداً دیکھتا تھا اور ہر ایک کو بتاتا تھا کہ کونسا حرف کس طرح ملایا جائے گا اور کونسی علامت کہاں استعمال ہوگی۔

اب معاملہ اس کے برعکس ہے۔ نہ تو پہلے سے معلم رہے اور نہ طالب علم اور نہ وہ طریقۂ تدریس رہا جس میں املا کی مشق کرائی جاتی تھی۔ آج کل آموزش (LERNINC) کو تیز تر بنانے کے لئے زبان کی تدریس کا جدید طریقہ یہ ہے کہ کُل سے جز کی طرف رجوع کرتے ہیں یعنی جملے یا الفاظ کے بعد حروف اور ان کی اشکال کی طرف توجہ دلاتے ہیں اس سے کئی فائدے ہیں لیکن بڑا نقصان یہ ہے کہ بچوں کو حروف اور ان کی اشکال میں مہارت حاصل کرنے کا بہت کم موقع ملتا ہے۔ وہ پڑھنا تو جلد سیکھ جاتے ہیں لیکن لکھنا جیسا کہ چاہیئے بیشتر کو نہیں

آتا۔ اپنے اپنے طور پر جیسا چاہتے ہیں لکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اردو املا ایک طرح کے نزاج اور انتشار کا شکار ہوتا جا رہا ہے اور یہ چیز زبان کی ترقی و ترویج اور تدریس و تعلیم سب کی راہ میں ایک طرح کی رکاوٹ اور الجھن پیدا کر رہی ہے۔

لیکن اب جبکہ ہر صوبے کا ٹکسٹ بک بورڈ ابتدائی اور ثانوی جماعتوں کے لئے نصابی کتابیں مرتب کر رہا ہے اور مرکزی و صوبائی حکومتیں اردو کو دفتری اور سرکاری زبان کے طور پر ہر سطح پر رواج دینا چاہتی ہیں تو ضرورت اس بات کی ہے کہ اردو املا کے واضح اصول موجود ہوں اور ہر سطح پر ان کی پابندی کی جائے۔ اردو کی ترقی اور اشاعت و طباعت کے سارے ادارے ان اصولوں کو اپنائیں۔ عام لکھنے والوں سے لے کر کاتب و ناشر تک ان اصولوں کو مدِ نظر رکھیں تاکہ اردو املا اس افراتفری سے نجات پا سکے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

میں نے اس مقالے میں اردو املا کے اصولوں کو مرتب اور یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کوشش کہاں تک کامیاب ہے اس کا جواب مجھے نہیں دوسروں کو دینا ہے۔ میں اس جگہ صرف اس قدر عرض کروں گا کہ میں نے اپنی لبساط بھر املا کے سارے پہلوؤں پر غور کیا ہے حروف کی مختلف شکلیں، ان کے باہمی ربط۔ شوشے۔ جوڑ۔ رموزِ اوقاف ان کے محل استعمال اور بعض لفظوں میں املا کا اختلاف سبھی چیزیں زیرِ بحث آئی ہیں۔ یہ بحث اپنی جامعیت، وسعت اور یکجائی کی حد تک شاید نئی ہو ورنہ اس سے پہلے سراج الدین علی خاں آرزو۔ انشا اللہ خاں اور غالب سے لے کر آج تک کے متعدد مقالہ نگاروں اور قواعد نویسوں نے اس پر اظہارِ خیال کیا ہے مولانا احسن مارہروی ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، مولوی عبدالحق، برج موہن دتاتریا کیفی، استاذی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں اور پروفیسر حبیب اللہ غضنفر نے بطور خاص اس طرف توجہ کی ہے۔

علمی و ادبی اداروں میں "ترقی اردو بورڈ کراچی" نے خصوصیت سے املا کے مسائل کو چھیڑا ہے اور دوسروں کی توجہ بھی اس طرف مبذول کرائی ہے۔ چنانچہ "ترقی اردو بورڈ" کے ترجمان "اردو نامہ" میں متعدد مضامین املا کے بارے میں شائع ہوئے ہیں۔ ان میں خلیق نقوی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، ڈاکٹر آمنہ خاتون، خواجہ حمید الدین شاہد۔ غلام رسول، رشید حسن خاں اور وارث سرہندی کی تحریریں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ سید قدرت نقوی نے بھی اس موضوع پر بہت کچھ سوچا اور لکھا ہے

میں نے ان سب کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے لیکن کسی بات کے ردّ و قبول کے سلسلے میں طویل بحث چھیڑنے کے بجائے اس بحث کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھنا پڑا ہے۔ اول اس لئے کہ اس کی گنجائش یہاں نہیں تھی۔ دوسرے یہ کہ اس مقالے کا بنیادی مقصد مسائل کو علمی بحثوں میں الجھانا نہیں بلکہ اردو املا کے اصول و ضوابط کو اس طرح یکجا و مرتب کرنا ہے کہ عام و خاص سب فائدہ اٹھا سکیں چنانچہ استدلال و تجزیہ کو نظر انداز کر کے اس مقالے میں صرف نتائج کو درج کیا گیا ہے۔ بیشتر نتائج وہ ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے۔ بعض اختلافی باتوں میں البتہ مجھے رَد و قبول کی منزل سے گذرنا پڑا ہے۔ میں نے اس سلسلے میں سہولت اور قبول عام کو پیش نظر رکھا ہے۔ انشاء اللہ خاں نے دریائے لطافت میں لکھا ہے۔

"جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ہو گیا۔ خواہ وہ لفظ عربی ہو یا فارسی ترکی ہو یا سریانی پنجابی ہو یا پوربی۔ اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح وہ لفظ اردو کا لفظ ہے۔ اگر اصل کے خلاف ہو تو بھی صحیح۔ اس کی صحت اور غلطی اس کے اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے۔ کیونکہ جو چیز اردو کے خلاف ہے وہ غلط ہے گو اصل میں صحیح ہو اور جو اردو کے موافق ہے وہی صحیح ہے خواہ اصل میں صحیح نہ بھی ہو۔"

(دریائے لطافت ص ۲۵۳ مطبوعہ انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۳۵ء)

کسی لفظ کے استعمال کے بارے میں انشاء کی اس رائے کو اردو کے سارے علما و ماہرین نے تسلیم کیا ہے۔ میں نے بھی اسی اصول کو اردو املا کے سلسلے میں اہم جانا ہے۔ جس طرح عربی فارسی کی قواعد اور عروض کو نہیں بلکہ رواج عام اور قبولِ عام کو ترجیح دینا چاہئے۔ میں نے یہی کیا ہے اور بہت غور و فکر کے بعد کیا ہے۔ اس کے باوجود یقین ہے کہ اس مقالے میں بعض کمزوریاں ہوں گی اس لئے کہ آدمی خطا و نسیاں کا پتلا ہے۔ میں زبان کے ماہرین اور قارئین سے گذارش کروں گا کہ وہ ان کمزوریوں کی نشان دہی فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت کو بہتر بنایا جا سکے۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ اس اثنا میں، ہندوستان میں، ان موضوعات پر خاصا کام ہوا ہے۔ اردو املا پر محترمی رشید حسن خاں کی ایک نہایت وقیع اور ضخیم کتاب منظرِ عام پر آئی ہے۔ ڈاکٹر گوپی نارنگ کا بھی ایک کتابچہ شائع ہوا ہے۔ دونوں پر میں نے نظر ڈالی ہے۔

لیکن اپنے مقالے میں ابتداءً جو رائیں قائم کر لی تھیں ان میں کسی قسم کی ترمیم یا تبدیلی کی ضرورت سردست محسوس نہیں کی۔ کتاب کی دوسری اشاعت کا موقع آیا تو بعض اصولوں کے سلسلے میں مزید تفصیلات و توضیحات سے البتہ کام لینا پڑے گا۔

"اردو رسم الخط" پر اعتراض کی بحث کم و بیش دو سو سال پرانی ہے۔ فورٹ ولیم کالج میں جب للو لال جی کی تالیف "پریم سبھا" انگریزوں کی سیاسی اغراض کے تحت اردو کے بجائے ناگری میں چھاپی گئی۔ تو اردو کے مروجہ رسم الخط کے مقابلے میں ایک نیا رسم الخط ناگری کے نام سے سامنے آگیا۔ بعد ازاں ہندوؤں کی طرف سے اردو کے لئے فارسی رسم الخط کے بجائے ناگری کو اپنانے کے مطالبات شروع ہوئے اور باقاعدہ تحریک چلائی گئی۔ جب یہ تحریک کامیاب نہ ہوئی تو اردو کے خلاف دو نئی تجویزیں سامنے لائی گئیں۔ ایک یہ کہ اردو رسم الخط میں بعض ترمیمیں یا اصلاحیں کر لی جائیں یعنی ہم صوت حروف میں سے صرف ایک ایک حرف لے کر حروف تہجی کی تعداد کو کم کر لیا جائے دوسرے یہ کہ اردو کو، فارسی یا ناگری رسم الخط کے بجائے رومن رسم الخط میں لکھا جائے دونوں تحریکیں چونکہ لسانی حقائق کے پیش نظر نہیں بلکہ سیاسی نقطہ نظر سے شروع کی گئی تھیں۔ اس لئے شور و غوغا تو بہت ہوا کامیابی نہ ہوئی۔ میں نے اپنے مقالے میں رسم الخط سے متعلق ساری قدیم و جدید بحث کا جائزہ لیا ہے۔ اس جائزے میں مولوی عبدالحق، ڈاکٹر شوکت سبزواری، مولانا حامد حسن قادری، ڈاکٹر عندلیب شادانی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، پروفیسر مسعود حسن رضوی۔ پروفیسر معین الدین دردائی، ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، ذ نا تریاکیفی اور علامہ نیاز فتح پوری، سب کی تحریریں حسب ضرورت میرے سامنے رہی ہیں۔ اس لحاظ سے کہہ سکتا ہوں کہ اس موضوع پر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس میں میرا مقالہ ہر لحاظ سے مفصل اور جامع ہے۔

فرمان فتح پوری

اُردو اِملا کے اصُول

"املا" باب 'اِفعال' سے عربی مصدر ہے اور عربی میں اس کا صحیح املا ہمزہ کے ساتھ اس طور پر ہوگا۔ املاء لیکن اردو میں املا کا لفظ ہمزہ کے بغیر لکھا جاتا ہے۔ املا کے لغوی معنی ہیں لکھنا لکھوانا اور رسیّ دراز کرنا۔ زبان کی اصطلاح میں " املا " سے مراد کسی لفظ کو مقررہ ضابطوں کے ساتھ اس طرح لکھنا ہے کہ بولنے اور پڑھنے میں اُسے صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کیا جا سکے یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ

الف۔ کسی خاص لفظ کے لئے جو حروف مخصوص ہیں وہ لفظ انھیں حروف کی مدد سے لکھا گیا ہو۔ مثلاً عَلَم (جھنڈا) کو ع۔ ل۔ م کے بجائے الف۔ ل۔ م سے لکھنا صحیح نہ ہوگا۔

ب۔ حروف کو باہم ملانے کے جو اصول مقرر ہیں ان کی پابندی کی گئی ہو۔ یعنی ہر لفظ میں، حروف اور ان کے شوشے اور جوڑ وغیرہ کسی ضابطے کے تحت بنائے گئے ہوں، مثلاً انسان اور بس کے الفاظ کو اگر "انسان" اور "بس" کی صورت میں لکھا گیا تو درست نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ن اور ب کو س سے اس طرح نہیں، بلکہ الف کی شکل میں ملایا جاتا ہے۔

ج۔ حسب ضرورت ہر لفظ کے حروف پر اعراب یعنی زیر۔ زبر۔ پیش اور تشدید و تنوین وغیرہ کے نشانات بنائے گئے ہوں مثلاً " مُقدّم " کے لفظ میں جب تک میم پر پیش اور ق پر تشدید کا نہ ہوگا صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا پڑھانا اور بولنا مشکل ہوگا۔ اس لئے کہ اس شکل کا دوسرا لفظ " مقدم " (خیر مقدم) بھی ہے اور بغیر اعراب و تشدید کے " مقدّم " اور " مقدم " ایک ہو جائیں گے۔

صحت املا کے سلسلے میں ان شرائط کو پورا کرنے کا تعلق چونکہ کسی لفظ کے حروف

اوران کی اشکال کے ساتھ ساتھ اعراب و بعض علامات صحیح استعمال سے ہے اس لئے محل استعمال سے پہلے، حروف کی اشکال اور اعراب و علامات کا اجمالی ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اب سے بیس پچیس سال پہلے تک ہمارے یہاں مسلمان بچے بچیوں کی تعلیم کا سلسلہ یوں تھا کہ سب سے پہلے انھیں اپنے گھر یا پڑوس کے مکتب میں قرآن پاک پڑھانے کی غرض سے عربی حروف تہجی اوران کی صوتی حرکات سکھائی جاتی تھیں۔اس کے لئے "بغدادی قاعدہ" کے نام سے ایک مختصر سا نصاب مقرر تھا۔ یہ اب بھی بعض گھرانوں اور قصبات کے دینی مدرسوں میں پڑھایا جاتا ہے۔ جب بچے بغدادی قاعدہ ختم کر لیتے تھے توانھیں قرآن پڑھانا شروع کردیا جاتا تھا عام طور پر قرآن پاک ختم کرلینے کے بعد ہی بچوں کو سرکاری یا انگریزی اسکولوں میں بھیجا جاتا تھا۔چنانچہ اسکولوں میں جب انھیں اردو کا قاعدہ یا پہلی کتاب پڑھائی جاتی تھی تووہ عربی کے حروف تہجی سے واقف ہوتے تھے۔ان میں صرف پ۔ چ۔ ژ۔ گ کا اضافہ ہو جاتا تھا۔ بھ۔ پھ۔ تھ۔ ٹھ۔ جھ۔ چھ وغیرہ جیسی آوازیں، جو بعض حروف کو دو چشمی ھ کے ساتھ ملانے سے پیدا ہوتی ہیں مخلوط آوازیں کہلاتی ہیں اور حروف تہجی میں شمار نہ ہوتی تھیں۔لیکن جیسے جیسے اردو صوتیات کے ضابطے مقرر ہوتے گئے۔ اردو کے حروف تہجی کی تعداد بھی اس کے اعتبار سے متعین ہوتی گئی۔چنانچہ اس وقت اردو کے حروف تہجی حسب ذیل ہیں:۔

ا۔ب۔بھ۔پ۔پھ۔ت۔تھ۔ٹ۔ٹھ۔ث۔ج۔جھ۔چ۔چھ
ح۔خ۔د۔دھ۔ڈ۔ڈھ۔ر۔ڑ۔ڑھ۔ز۔ژ۔س۔ش۔ص۔ض
ط۔ظ۔ع۔غ۔ف۔ق۔ک۔کھ۔گ۔گھ۔ل۔لھ۔م۔مھ
ن۔نھ۔و۔ہ۔ء۔ی۔ے۔

ان میں ث۔ ح۔ص۔ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ غ اور ق کی آوازیں خاص عربی کی ہیں ژ۔کی آواز فارسی کے لئے مخصوص ہے۔ خ۔ د۔ ز۔ ف کی آوازیں عربی اور فارسی دونوں میں ہیں۔ بھ۔ پھ۔ تھ۔ ٹھ۔ چھ۔ دھ۔ ڈ۔ ڈھ۔ ڑ۔ ڑھ۔ کھ۔ گھ۔

لھ۔ مھ۔ نھ کی آوازوں کا عربی فارسی سے تعلق نہیں ۔ یہ ہندی، سنسکرت اور علاقائی زبانوں سے آئی ہیں ۔ پ۔ چ اور گ اردو فارسی اور علاقائی زبانوں میں تو ہیں عربی میں نہیں ہیں ۔

اُردو کے مندرجہ بالا حروفِ تہجی یا حروفِ ہجا ہیں عربی ۔ فارسی اور علاقائی زبانوں کے حروفِ تہجی کی تقریباً ساری آوازیں شامل ہیں۔ اصطلاح میں حروفِ تہجی (ALPHABET) کو حروفِ ابجد بھی کہتے ہیں ۔ بات یہ ہے کہ اہل عرب اپنے حروفِ تہجی کو عددی قیمتوں کے لئے بھی استعمال کرتے تھے اور ان کی قیمتیں اس طور پر مقرر تھیں ۔

	حروف	قیمت		حروف	قیمت
ابجد	الف	۱	سعفص	س	۶۰
	ب	۲		ع	۷۰
	ج	۳		ف	۸۰
	د	۴		ص	۹۰
ہوز	ہ	۵	قرشت	ق	۱۰۰
	و	۶		ر	۲۰۰
	ز	۷		ش	۳۰۰
حطی	ح	۸		ت	۴۰۰
	ط	۹	ثخذ	ث	۵۰۰
	ی	۱۰		خ	۶۰۰
کلمن	ک	۲۰		ذ	۷۰۰
	ل	۳۰	ضظغ	ض	۸۰۰
	م	۴۰		ظ	۹۰۰
	ن	۵۰		غ	۱۰۰۰

چونکہ اِن آٹھ کلمات میں عربی کے سارے حروفِ تہجی آ جاتے ہیں اس لئے اصطلاحاً حروفِ تہجی

کو حروف ابجد بھی کہا جانے لگا۔

ان میں سے بعض مذکر بولے جاتے ہیں اور بعض مؤنث جلیل مانک پوری نے لغتِ تذکیر و تانیث میں امیر مینائی کے حوالے سے "ب" اور اس کے ہم آواز حرفوں کو مؤنث بتایا ہے اس لحاظ سے ب ۔ بھ ۔ پ ۔ ت ۔ تھ ۔ ٹ ۔ ٹھ ۔ ج ۔ چھ ۔ ح ۔ خ ۔ ر ۔ ڑ ۔ ز ۔ ژ ۔ ف ۔ ہ اور ی مؤنث ہیں مولوی عبدالحق نے د ۔ ذ اور و کو بھی مؤنث لکھا ہے۔ جیم اور میم کو مختلف فیہ بتایا ہے۔ یعنی انھیں مذکر بھی لکھ سکتے ہیں مؤنث بھی ۔ صحیح بات یہ ہے کہ د ۔ ڈ ۔ ذ اور و بھی مختلف فیہ ہیں ۔ اساتذہ نے دونوں طرح استعمال کیا ہے ۔

قواعد نگاروں اور لغت نویسوں نے ان حروف کو مختلف اعتبار سے کئی گروہوں میں تقسیم کیا ہے اور ہر گروہ کا الگ الگ نام رکھا ہے ۔ بعض حرفوں کو بھی ان کی مختصر اور طویل آواز کے لحاظ سے کئی کئی نام دیئے ہیں ۔ چونکہ اگلے صفحات میں یہ نام بار بار آئیں گے اس لئے مختصراً ان کا ذکر بھی ضروری ہے ۔

۱۔ نقطے والے حروف مثلاً ب ۔ پ ۔ ج ۔ چ ۔ وغیرہ حروفِ منقوط یا حروف معجمہ کہلاتے ہیں ۔

۲۔ بغیر نقطوں والے حروفِ غیر منقوط یا حروف مہملہ کہلاتے ہیں جیسے ا ۔ ح ، د ، ر ، س ، اور ص وغیرہ ۔

۳۔ وہ حروف جن کے اوپر نقطہ آتا ہے فوقانی کہلاتے ہیں جیسے ت ۔ ث ۔ خ وغیرہ

۴۔ جن حروف کے نیچے نقطہ ہو وہ تحتانی کہلاتے ہیں ۔ جیسے ب ۔ پ ۔ چ وغیرہ ۔

۵۔ ت ۔ ث ۔ د ۔ ذ ۔ ر ۔ ز ۔ س ۔ ش ۔ ص ۔ ض ۔ ط ۔ ظ ۔ ل ۔ ن ، حروف شمسی کہلاتے ہیں اس لئے کہ عربی الفاظ میں جب ان حرفوں سے پہلے ال آتا ہے تو پڑھا نہیں جاتا جیسے التائب ۔ الثاقب ۔ الدلیل ۔ الذاکر ۔ الرحیم ۔ الزجاج ۔ السلام ۔ الشمس ۔ الصباح ۔ الطاہر ۔ الظل ۔ اللیل ۔ النو وغیرہ ۔

۶۔ ا ب ۔ ج ۔ ح ۔ خ ۔ ع ۔ غ ۔ ف ۔ ق ۔ ک ۔ م ۔ و ۔ ہ ۔ ی ۔ قمری

ؔ قواعد اردو ص ۳۸ مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۵۱ء طبع چہارم

کہلاتے ہیں۔ اس لئے کہ ان سے پہلے ال پڑھا جاتا ہے۔ جیسے حافظ الاسد، عبدالباسط، عبدالجمیل عبدالحکیم ۔ عبدالخطیب ۔ کتاب العالم ۔ الفریق ۔ الیتیم شق القمر ۔ عبدالکریم ۔ عبدالمالک عبدالواحد ۔ عبدالہادی وغیرہ ۔

۷۔ جس حرف پر مّد یا مدّہ آتا ہے اور کھینچ کر پڑھا جاتا ہے وہ الف ممدودہ کہلاتا ہے جیسے آم ۔ آج اور آلام وغیرہ کا الف ۔

۸۔ جو الف کھینچ کر نہ پڑھا جائے وہ الف مقصوری کہلاتا ہے ۔ جیسے اب ۔ ابر ۔

۹۔ چھوٹی ہ یا ہائے ہوز جب اپنی آواز ظاہر کرتی ہے تو ہائے ملفوظی کہلاتی ہے جیسے کوہ اور آہ ہیں ۔

۱۰۔ بھ ۔ پھ ۔ تھ ۔ ٹھ ۔ جھ ۔ چھ ۔ ڈھ ۔ ڑھ ۔ کھ ۔ گھ ۔ لھ ۔ مھ ۔ نھ کی دو چشمی ھ کو ہائے مخلوط کہتے ہیں ۔

۱۱۔ بعض لفظوں کے آخر میں چھوٹی ہ اظہار حرکت کے لئے آتی ہے لیکن پڑھی نہیں جاتی ہے ایسی ہ کو ہائے مختفی یا ہائے غیر ملفوظی کہتے ہیں جیسے شانہ ۔ بستہ ۔ نامہ ۔ خانہ وغیرہ ۔

۱۲۔ ح کو چھوٹی ہ سے ممتاز کرنے کے لئے بڑی ح یا حائے حطّی بھی کہتے ہیں ۔

۱۳۔ جس واؤ سے پہلے پیش ہو اور کھینچ کر پڑھی جائے اسے واؤ معروف کہتے ہیں ۔ جیسے کُو کُو ابرو، بدبو، تو تو وغیرہ کی واو ۔

۱۴۔ اگر واؤ کھینچ کر نہ پڑھی جائے تو واؤ مجہول کہلائے گی ۔ جیسے غور، قول، مور اور شور وغیرہ میں ۔

۱۵۔ بعض الفاظ میں واؤ لکھی جاتی ہے لیکن تلفظ میں نہیں آتی ۔ اسی قسم کی واؤ کو واؤ معدولہ کہتے ہیں ۔ جیسے خوش ۔ خواب ۔ خواہش میں ۔

۱۶۔ اگر ی سے پہلے زیر ہو اور کھینچ کر پڑھی جائے تو یائے معروف کہلائے گی جیسے عید شہید ۔ نوید ۔ کیل ۔ چیل وغیرہ میں ۔

۱۷۔ ایسی ہی جسے کھینچ کر نہ پڑھا جائے یائے مجہول کہلاتی ہے جیسے بیل ۔ میل ۔ پیر اور ریل ۔ جیل ۔ ڈھیر میں ۔

۱۸۔ کسی لفظ کے درمیان آنے والی "ی" جب اپنی واضح آواز نہیں دیتی تو یائے مخلوط کہلاتی

ہے جیسے پیار۔ خیال۔ کیا وغیرہ میں۔

اردو کے یہ حروف تہجی کس کس شکل میں لکھے جاتے ہیں اور دوسرے حرفوں سے ملنے کے بعد ان کی شکلوں میں کیا کیا تبدیلیاں ہوتی ہیں پہلے ان کی تفصیل بھی دیکھتے چلئے، اس تفصیل سے صحت املا کی بہت سی باتیں خود بخود واضح ہو جائیں گی۔

(ا) عربی حروف تہجی میں الف کی کوئی انفرادی حیثیت نہیں ہے۔ یہ دراصل ہمزہ کا قائم مقام ہے اس لئے عربی میں ہمیشہ حرکت کے ساتھ آتا ہے۔ لیکن اردو میں یہ ایک مستقل حرف کی حیثیت رکھتا ہے اور ساکن و متحرک دونوں طرح استعمال ہوتا ہے مثلاً "اس" میں الف متحرک ہے اور "گائے" میں ساکن۔

الف اپنے بعد والے حرف سے مل کر کبھی نہیں آتا۔ ہاں اپنے ماقبل یعنی پہلے آنے والے حرف سے ملا کر لکھا جاتا ہے جیسے کا۔ جا۔ سا۔ ما وغیرہ میں لیکن الگ لکھا جائے یا کسی حرف سے ملا کر دونوں صورتوں میں ان کی شکل ایک ہی رہتی ہے البتہ جب اسے کھینچ کر پڑھا جائے گا تو اوپر مدّ کا نشان "~" لگا دیا جائے گا۔ مدّ لگانے سے الف کی آواز دوگنی ہو جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ مد دراصل الف ہی کی ایک شکل ہے جو الف ہی پر بنائی جاتی ہے یعنی ایک دوسرے کے اوپر اس طرح ا یا ایک دوسرے کے برابر یوں اا لکھنے کی بجائے آ کی شکل میں لکھتے ہیں جیسے آم۔ آج۔ آس وغیرہ میں۔

ب۔ اردو املا میں "ب" مختلف شکلوں میں لکھی جاتی ہے۔

۱۔ لفظ کے آخر میں اصل صورت میں آتی ہے جیسے آب۔ ثواب۔ نقاب وغیرہ میں۔

۲۔ س۔ ش۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ غ۔ ف۔ ق ی اور ے سے پہلے آئے گی تو الف کی شکل میں کھڑی لکھی جائے گی۔ بشرطیکہ اپنے ماقبل سے متصل نہ ہو جیسے بس تابش۔ ابصار۔ بضاعت۔ بط۔ بظاہر۔ تابع۔ بغل۔ بفاتی۔ بقا، لوٹا، بی بی، ابے وغیرہ میں۔

۳۔ جب کسی لفظ میں دو حرفوں سے متصل ہو کر درمیان میں آئے گی تو صرف ابتدائی چہرے کے ساتھ لکھی جائے گی جیسے سبب۔ طبیب وغیرہ میں۔

۴۔ ج۔ چ۔ ح۔ خ اور م کے شروع میں بشرطیکہ اپنے ماقبل سے متصل ہو، ترچھے الف کی صورت میں لکھی جائے گی جیسے بج۔ پخ۔ بم وغیرہ میں۔

۵۔ بقیہ حرفوں سے پہلے آئے گی تو ابتدائی چہرے کے ساتھ آئے گی خواہ لفظ کے شروع میں آئے یا درمیان میں۔ جیسے بن۔ بر۔ بڑ۔ بد وغیرہ میں [1]

بھ۔ پھ اور اس قبیل کے دوسرے دوسرے حروف مثلاً تھ۔ ٹھ۔ جھ۔ چھ دھ، ڈھ۔ کھ۔ گھ۔ لھ۔ مھ۔ نھ۔ ہمیشہ اصل صورت میں لکھے جائیں گے خواہ لفظ کے شروع میں آئیں یا درمیان و آخر میں۔

ج۔ لفظ کے آخر میں آئے تو اصل صورت میں اور کسی حرف سے مل کر لفظ کے شروع یا درمیان میں آئے تو ابتدائی حصے یعنی چہرے کے ساتھ لکھا جائے گا جیسے کاج۔ راج تاج۔ راج اور حجاب۔ جامن۔ جب۔ جناب اور جواب وغیرہ میں یہی صورت ح۔ چ اور خ کی ہوگی۔

د۔ اپنے بعد آنے والے حرف سے کبھی متصل نہیں ہوتی۔ جیسے دوا۔ دیوار۔ دبلا وغیرہ۔ جب اپنے ماقبل سے ملتی ہے تو اپنی اصل شکل میں پوری کی پوری لکھی جاتی ہے جیسے بد۔ بعد۔ عدد۔ سید۔ دیدہ وغیرہ میں "د" کے قبیل کے دوسرے حروف "ڈ" اور "ذ" کی بھی یہی صورت ہوگی۔

ر۔ ہمیشہ اپنی اصلی شکل میں استعمال ہوتی ہے۔ جیسے رام۔ کرن۔ ردم۔ مرہم رستم اور جرمن وغیرہ میں صرف یہ کہ جب کسی حرف سے مل کر آتی ہے تو اس کا نچلا حصہ اوپر کے حصے سے کچھ لمبا اور ترچھا کر دیا جاتا ہے۔ جیسے پتھر۔ اکثر۔ بدتر سر۔ فرفر۔ صرصر وغیرہ میں ڑ، ز اور ژ بھی ر کی طرح لکھی جائیں گی۔

---

[1] حرف ب کے سلسلے میں جو باتیں اوپر بیان کی گئیں ہیں ان کا اطلاق اس قبیل کے دوسرے حروف پ۔ ت۔ ٹ۔ ث وغیرہ پر بھی ہوگا۔ یعنی یہ حروف بھی اردو املا میں ب کی طرح لکھے جائیں گے۔

س ۔ لفظ کے آخر میں مکمل صورت میں اور کسی حرف کے شروع یا دو حرفوں کے بیچ میں آئے تو صرف چہرے یعنی ابتدائی دو شوشوں کے ساتھ لکھنا چاہئے ۔ جیسے آس پاس ۔ راس گھاس ۔ ناس اور قسم ، سچ ، تقسیم ، قسمت ۔ سیب اور سرمد وغیرہ میں ۔ یہی صورت ش ۔ ص ۔ ض ۔ ف ۔ ق ۔ ل ۔ م کی ہوگی ۔ یعنی جب لفظ آخر میں آئیں گے تو س کی طرح اصلی شکل میں لکھے جائیں گے ۔ شروع اور درمیان میں ہوں گے تو صرف چہرہ بنا دینا کافی ہوگا جیسے کاش ۔ ناقص ۔ قابض ۔ غلاف ۔ طوق ۔ اجمل ۔ اسلام شربت ۔ مشرق ۔ صورت ۔ وصیت ۔ ضابطہ ۔ بضاعت ۔ فارسی ، تفریق ، قلم مقیم ۔ لمس ۔ بلبل ، مور ، دامن وغیرہ میں ۔

ط ۔ ظ ۔ ان کی شکل میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ۔ شروع میں آئیں یا درمیان و آخر میں اصلی شکل میں لکھے جائیں گے ۔ جیسے طالب ۔ مطلوب ۔ نشاط ۔ ظالم ۔ مظلوم ۔ اور حافظ وغیرہ میں ۔

ع ۔ غ ۔ (۱) جب لفظ کے آخر میں کسی حرف سے ملے بغیر آئیں گے تو اصلی صورت میں لکھے جائیں گے ۔ جیسے الوداع ۔ صنّاع ۔ رکوع ۔ دروغ ۔ باغ ۔ مرغ وغیرہ میں لفظ کے آخر میں اپنے ماقبل سے مل کر آئیں تو بھی مکمل صورت میں لکھے جائیں گے ۔ لیکن ان کے چہروں میں معمولی سی تبدیلی ہو جائے گی ۔ جیسے شمع ۔ سمیع ۔ منافع ۔ تواضع اور تبلیغ وغیرہ میں ۔

(۲) لفظ کے شروع میں صرف چہرے کے ساتھ لکھے جائیں گے ۔ جیسے عابد ۔ عوض عرصہ ۔ عنصر ۔ غم ۔ غیر ۔ غبارہ ۔ غرض وغیرہ ۔

(۳) دو حرفوں سے مل کر جب لفظ کے درمیان میں آئیں گے تو بھی صرف چہروں کے ساتھ لکھے جائیں گے لیکن چہرہ قدرے بدل جائے گا جیسے سعدی معبود ۔ بعد ۔ بغداد تغزل ۔ مغز وغیرہ میں ۔ لیکن ع ۔ غ کے چہروں کی تبدیلی صرف نستعلیق خط میں ہوتی ہے ۔ موجودہ نسخ اور ٹائپ میں اصلی چہرے کے ساتھ بھی لکھے جاتے ہیں ۔ جیسے بغداد ۔ تغزل ۔ مغز وغیرہ میں ۔

ک۔گ۔ مختلف شکلوں میں لکھے جاتے ہیں ۔

(۱) لفظ کے آخر میں خواہ کسی حرف سے مل کر آئیں یا الگ، پورے کے پورے لکھے جائیں گے جیسے پاک۔ چوک۔ مالک اور ساگ ۔ روگ۔ جنگ وغیرہ میں ۔

(۲) الف اور ل کے شروع میں مل کر آئیں گے تو خواہ لفظ کے شروع میں ہوں یا درمیان میں ان کے چہرے سمٹ کر قدرے گول ہو جائیں گے جیسے کام۔ کاش۔ گال۔ گاما۔ کل۔ کلثوم ۔ گل۔ کل اور بکاؤلی، خیر سگالی اور بگلا وغیرہ میں ۔

(۳) الف اور ل کے علاوہ جب کسی اور حرف سے مل کر شروع میں یا لفظ کے بیچ میں آئیں گے تو صرف چہروں کے ساتھ لکھے جائیں گے جیسے کریم۔ کب۔ کف ۔ مکرم۔ کرم شکوا۔ گرم ۔ کمتر۔ گپ ۔ تگڑم۔ جھگڑا وغیرہ میں ۔

ل ۔ (۱) لفظ کے آخر میں خواہ اپنے ماقبل سے مل کر آئے یا الگ۔ اصلی شکل میں لکھا جائے گا۔ جیسے، شکل، قبل ۔ چل، جل ۔ گول ۔ جال ۔ کدال ۔ شال وغیرہ میں ۔

(۲) لفظ کے شروع یا بیچ میں صرف ابتدائی حصّے، یعنی صرف چہرے کے ساتھ لکھا جائے گا۔ جیسے لب ۔ لداخ ۔ بلدیہ ۔ لاج ۔ کالج ۔ گلدان، مطلب وغیرہ میں ۔

ن ۔ مندرجہ ذیل شکلوں کے ساتھ لکھا جاتا ہے ۔

(۱) لفظ کے آخر میں خواہ ماقبل سے مل کر آئے یا علیحدہ، پورے کا پورا لکھا جائے گا۔ جیسے مکان، مدفون ۔ احسان ۔ چلن ۔ زمین ۔ بچپن وغیرہ میں ۔

(۲) س ۔ش ۔ص ۔ض ۔ ط ۔ظ ۔ ع ۔غ ۔ ف ۔ ق ۔ و ۔ ی اور ے سے قبل متصل ہو کر آئے گا تو صرف ابتدائی حصہ الف کی طرح کھڑا لکھا جائے گا جیسے نسل۔ نشہ۔ نصرت ۔ نعمت ۔ نفر۔ نفی۔ نقی ۔ نو ۔ پانی ۔ اور آتے وغیرہ میں ۔

(۳) ج ۔ چ ۔ خ ۔ م اور ہ کے شروع میں متصل ہوگا تو ترچھا الف کی صورت میں لکھا جائے گا ۔ جیسے ۔ نجی ۔ نچلا ۔ نجومی ۔ نخل ۔ نم ۔ نہلا وغیرہ میں ۔

(۴) باقی حرفوں کے شروع میں ب کی طرح ابتدائی صورت میں لکھا جائے گا جیسے نانا بندہ ۔ ندا ۔ خداوند ۔ تنگ ۔ نلکا وغیرہ میں

(۵) جب کسی لفظ میں نون کی واضح آواز کے بجائے نون غنہ کی آواز ہو تو بغیر نقطہ کے پورا نون لکھا جائے گا۔ جیسے۔ ماں۔ کہاں۔ جہاں۔ وہاں وغیرہ

و۔ خواہ کسی لفظ کے شروع میں آئے۔ خواہ درمیان اور آخر میں دوسرے حرف سے مل کر آئے یا الگ۔ اصل شکل میں لکھی جائے گی۔ جیسے واحد۔ وعدہ۔ مولود۔ کوکو۔ توکل۔ توجیہہ۔ بوتل وغیرہ۔

ہ۔ اسے چھوٹی ہ یا ہائے ہوّز کہا جاتا ہے۔ اس کی حسب ذیل شکلیں مستعمل ہیں۔

(۱) ہ۔ لفظ کے آخر میں الف اور واؤ کے بعد آتی ہے جیسے آہ۔ کلاہ۔ گواہ۔ ماہ۔ کوہ۔ موہ وغیرہ میں۔

(۲) ہ۔ کسی لفظ کے شروع میں ج، چ، ف، م اور و سے مل کر استعمال ہوتی ہے۔ جیسے۔ ہجو یا ہچر مچر، ہفتہ۔ ہم اور ہوا وغیرہ میں۔ ح۔ خ۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ غ۔ ق سے قبل بھی اسی طرح آئے گی۔

(۳) ہ۔ ا۔ ب۔ پ۔ ت۔ ٹ۔ د۔ ڈ۔ ذ۔ ر۔ ڑ۔ ز، س۔ ش۔ ک۔ گ۔ ل۔ ن اور ی سے متصل ہو کر آتی ہے۔ بشرطیکہ خود اپنے ماقبل سے متصل نہ ہو۔ جیسے کہ ہاکی۔ آہا۔ دہی۔ ہتھیار۔ چاہت۔ ہشیار۔ ترہاہٹ۔ ہدہد۔ ہڈی۔ ہذیان۔ ہزار۔ ہستی۔ ہک۔ گاہک۔ ہپی۔ ہگو۔ ہل۔ موہن۔ ہن۔ ہی اور ہے وغیرہ میں، بھ۔ پھ تھ ٹھ ڈھ ڑھ۔ کھ اور گھ کے شروع میں بھی اسی شکل میں آئے گی۔

(۴) ہ۔ کسی لفظ میں اپنے ماقبل سے متصل ہونے کی صورت میں لکھی جاتی ہے جیسے بہت۔ بہشت۔ بہار۔ بہادر۔ پہرا۔ پہاڑ۔ تہمت۔ ٹہلنا۔ ٹہنی۔ جہیز۔ جہالت چہکنا۔ سہنا۔ سہارا۔ سہر۔ شہر۔ شہید۔ صہبا۔ صہیب۔ اطہر۔ طہران۔ عہد۔ عہدہ فہمیدہ۔ افہام۔ قہر۔ قہار۔ کہر۔ کہنا۔ گہنا۔ گہر۔ لہنگا۔ لہو۔ نہلا۔ مہنگا۔ مہر مہارت۔ یہی۔ یہاں وغیرہ میں۔

(۵) ہ۔ لفظ کے آخر میں آتی ہے اور ہ کی آواز نہیں دیتی اسے ہائے مختفی کہتے ہیں۔ جیسے

کشتہ ۔ نگینہ ۔ جامہ وغیرہ میں ۔

(۶) ۂ ۔ اللہ ۔ الحمدللہ ۔ سبحان اللہ ۔ مالہ وماعلیہ ۔ مدعاعلیہ وغیرہ میں ۔

(۷) ھ ۔ یہ شکل جھ چھ ۔ پھ ۔ تھ ۔ ٹھ ۔ جھ ۔ چھ ۔ دھ ۔ ڈھ ۔ ڑھ ۔ کھ ۔ گھ لھ ۔ مھ ۔ نھ کے لئے مخصوص ہے ۔

ہمزہ ۔ عربی زبان کے لئے مخصوص ہے اور حرف مستقل حرف کی صورت میں عام طور پر لفظ کے شروع ۔ درمیان اور آخر تینوں جگہ آتا ہے جیسے اُمر ۔ سائل ۔ سوء ۔ ابتداء وغیرہ میں لیکن اردو فارسی میں ہمزہ، حرف اصلی کے طور پر کسی لفظ میں نہیں آتا ۔ چنانچہ اردو فارسی کا نہ کوئی لفظ ہمزہ سے شروع ہوگا اور نہ ہی اس پر ختم ہوگا ۔ عربی کے جن لفظوں کے آخر میں ہمزہ آتا ہے وہ بھی بغیر ہمزہ لکھے جاتے ہیں ۔

غیر عربی اور فارسی الفاظ میں ہمزہ کا استعمال واؤ اور ی کی حرکات کو ظاہر کرنے کے لئے کیا جاتا ہے ۔ اردو میں اس کی دو شکلیں ہیں[1] ۔ ایک شوشہ دوسرے بغیر شوشے کے ساتھ ۔

(۱) ء (بغیر شوشہ) ہمزہ کی اصل شکل یہی ہے ۔ اور اسی کو ہر جگہ استعمال کرنا چاہئے

(۲) ئ (شوشہ دار) یہ شکل صرف چھوٹی ی کے ساتھ جبکہ ہمزہ اپنے ماقبل سے متصل نہ ہو استعمال ہوتی ہے جیسے رائی ۔ لائی ۔ پائی ۔ آئی وغیرہ میں یا آئیں، جائیں لائیں وغیرہ میں ۔

ی ۔ مندرجہ ذیل شکلیں استعمال ہوتی ہیں ۔

(۱) لفظ کے آخر میں مکمل صورت میں لکھی جاتی ہے ۔ جیسے آدمی ۔ قومی ۔ وہی ۔ مٹی ۔ بنی ۔ کبھی ۔ سبھی ۔ سجی ۔ پچی ۔ مرغی خوشی وغیرہ میں ۔

(۲) بعض حروف مثلاً ب ۔ پ ۔ ت ۔ ٹ ۔ ث ۔ ک ۔ گ ۔ ل ۔ ن اور ء کے بعد

---

[1] بعض حضرات ہمزہ کو مد کی شکل میں لکھتے ہیں ۔ جیسے گئی ۔ کئی وغیرہ ۔ یہ غلط محض ہے ۔ ہمزہ کی اصل شکل عین کے چہرے کی طرح ہے ۔ اضافی شوشے کے ساتھ ہمزہ کا استعمال صرف یائے معروف اور یائے مجہول کے ساتھ ہوگا ۔ جیسے زائیدہ ۔ قارئین ۔ بقائی ۔ ہوئی ۔ ہوئے ۔ نئے ۔ گئے ۔ خدائی ۔ مئی ۔ نئی ۔ کئی وغیرہ میں ۔

بشرطیکہ یہ حروف اپنے ماقبل سے متصل نہ ہوں۔ ی کا ابتدائی حصّہ محذوف ہو جاتا ہے
جیسے بابی۔ ناشپاتی۔ چوپائی۔ وارثی۔ ذکی۔ جاکی۔ لائی۔ حالی۔ بھائی وغیرہ میں۔
(۳) جب لفظ س۔ ش۔ ص۔ ض۔ ط۔ ظ۔ ع۔ غ۔ ف۔ ق۔ د اور ی سے پہلے
متصل ہو کر آئے اور اپنے ماقبل سے متصل نہ ہو تو ب اور ن کی طرح الف کی شکل
میں لکھی جائے گی جیسے تقریظ، پریشاں، عریض۔ دریغ۔ تعریف۔ صدیق۔ ایوب۔ زاویے
یقین وغیرہ میں۔
(۴) ج۔ چ۔ ح۔ خ۔ م اور ی کے شروع میں بشرطیکہ ماقبل سے متصل نہ ہو ترچھے
الف کی شکل میں آئے گی۔ جیسے دریچہ۔ تراویح۔ مریخ۔ مریم وغیرہ میں۔
(۵) بقیہ حروف کے شروع میں (جبکہ ماقبل سے متصل نہ ہو) یا متصل ہو کر دو حرفوں
کے درمیان میں آئے تو ب کے چہرے کی طرح لکھی جائے گی جیسے یاور۔ عید۔ شہید
ناریل۔ مرید، تدبیر۔ بیٹر۔ بیل۔ کیل۔ جھیل۔ سیر وغیرہ میں۔
ے۔ ہمیشہ لفظ کے آخر میں اصل صورت میں لکھی جاتی ہے۔ جیسے گائے۔ جائے۔ آئے
چائے۔ گھوڑے۔ اس لئے۔ پیارے۔ سونے۔ شوشے وغیرہ میں۔
اعراب۔ زبان کی اصطلاح میں اعراب سے مراد وہ علامتیں ہیں جو کسی حرف کی حرکت
کو ظاہر کرنے اور کسی لفظ کے تلفظ کو متعین کرنے کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ اردو
املا میں یہ کام۔ زَبر۔ زِیر۔ پیش اور ا، و، ی سے لیا جاتا ہے۔ جس حرف پر
زبر۔ زیر۔ پیش میں سے کوئی نشان آئے گا وہ متحرک اور جس پر کوئی نشان نہ آئے
گا وہ ساکن کہلائے گا۔ ساکن حرف میں جزم کے نام سے یہ نشان ْ لگا دیتے
ہیں۔ زبر کو عربی میں فتحہ۔ زیر کو کسرہ اور پیش کو ضمہ کہتے ہیں۔ جس حرف پر زبر
آئے اُسے مفتوح جس پر زیر ہو اسے مکسور اور جس پر پیش ہو اسے مضموم کہتے ہیں
زبر کا نشان َ زیر کا نشان ِ اور پیش کا نشان ُ ہے۔
ا، و، ی اردو کے حروف تہجی میں بھی شامل ہیں اور انھیں عربی و فارسی قواعد
کی تقلید میں حروف علت (VOWELS) کہا جاتا ہے۔ اردو کے دوسرے حروف

کو حروف صحیح (CONSONONT) کہتے ہیں۔ ا، و، ی کا استعمال حروف صحیح کے طور پر بھی ہوتا ہے اور حروف علت کے طور پر بھی۔ جب یہ اپنی اصلی یا ابتدائی آواز کے ساتھ استعمال ہوں گے تو صحیح کہلائیں گے، جیسے املی اور رتارا کا الف، واحد اور ہوا کا واؤ اور یادر اور صیاد کی ی۔ اس کے برعکس جب یہ حروف اظہارِ حرکت کے لئے آئیں گے تو حروف علت کہلائیں گے ا، و، ی اور زبر۔ زیر پیش ملنے کو تو چھے حروف علت ہیں لیکن ان کی مدد سے اردو میں دس آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے اردو میں اعراب یا حروفِ علت تعداد چھے نہیں دس ہے۔ ان آوازوں اور علامتوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ زبر (فتحہ) ـَ زبر یا فتحہ کا نشان حرف کے اوپر لگایا جاتا ہے جیسے۔ اَب۔ سَب۔ ہَل۔ میں ا، س، ہ یا جنگل میں ج اور گ، سبَب میں س اور ب، کرم میں ک اور م اور خبر میں خ اور ب۔

۲۔ زیر (کسرہ) ـِ زیر حرف کے نیچے لکھا جاتا ہے۔ جیسے جِن، دِل۔ گِن۔ رِم میں ج، د، گ اور ر۔

۳۔ پیش (ضمہ) ـُ پیش بھی زبر کی طرح حرف کے اوپر آتا ہے۔ جیسے۔ اُس۔ چُپ۔ خُم۔ دُکھ۔ گُن۔ میں الف۔ ج۔ خ۔ د اور گ۔

۴۔ آ۔ یہ آواز ماقبل زبر سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک طرح کا زبر ہے لیکن ذرا کھینچ کر پڑھا جاتا ہے۔ جیسے مالن۔ کاش۔ چاپ۔ شام وغیرہ میں۔

۵۔ او۔ یہ آواز "و" ماقبل زبر (یعنی و سے پہلے آنے والے حرف پر زبر سے) پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ سَو۔ نَو۔ جَو۔ لَو۔ قَول وغیرہ سے ظاہر ہے۔

۶۔ اُو۔ "و" ماقبل پیش سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کھولنا۔ بولو۔ ڈھول، گولا۔ سونا رونا۔ کوئی وغیرہ میں۔

۷۔ "اُو" یہ بھی "و" ماقبل پیش سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس میں "و" کھینچ کر پڑھی جاتی ہے۔ اور واؤ معروف کہلاتی ہے۔ جیسے بُو۔ تو۔ کوکو۔ بوبو۔ خوبو وغیرہ میں۔

۸۔ اَے۔ یہ آواز "ی" ماقبل زبر سے پیدا ہوتی ہے۔ جیسے۔ بَیل۔ سَیر۔ بَیٹ

تھیلا۔ میلا۔

۹۔ ای۔ یہ بھی "ی" کی مدد سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن ی سے پہلے زیر کا آنا ضروری ہے۔ جیسے ریل۔ بیل۔ کھیل۔ گھیر۔ دیر۔ دیو۔ سیر۔ جیل وغیرہ میں۔

۱۰۔ اِی۔ یہ آواز بھی "ی" ماقبل زیر سے پیدا ہوتی ہے۔ لیکن اس میں ی کو کھینچکر اس طرح پڑھتے ہیں کہ ی کی آواز دوگنی ہو جاتی ہے۔ جیسے میر۔ جھیل۔ کیل۔ منیر۔ نیل۔ تین۔ وغیرہ میں۔

اعراب کی یہ ساری علامتیں کسی ایک حرف کی مدد سے اس طور پر واضح کی جاسکتی ہیں۔

۱۔ زبر	َ	جیسے	مَل	(MAL)	मल
۲۔ زیر	ِ	"	مِل	(MIL)	मिल
۳۔ پیش	ُ	"	مُل	(MUL)	मुल
۴۔ آ		"	مال	(MAAL)	माल
۵۔ اَو		"	مَولا	(MAULA)	मौला
۶۔ اُو		"	مُول	(MOLE)	मोल
۷۔ اُو		"	مُولی	(MOOLI)	मूली
۸۔ اَے		"	مَیلا	(MAELA)	मैला
۹۔ اِی		"	میلا	(MELA)	मेला
۱۰۔ اِی		"	مِیل	(MEEL)	मील

ان آوازوں پر اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ یہ سب بنیادی طور پر زبر۔ زیر۔ پیش کو مختلف انداز سے پڑھنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ ا، و، ی، صرف ان کی معاونت کرتے ہیں۔ بہر صورت ان آوازوں اور ان کے نشانات وعلامات کو صحت املا کے لئے ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

حروف اور حروف کے مختلف نشانات اور اعراب کی علامتوں کے علاوہ بعض دوسری علامتوں کی وضاحت بھی اس جگہ ضروری ہے۔

تنوین۔ نون کی آواز پیدا کرنے کو تنوین کہتے ہیں۔ اس کے لئے کسی لفظ کے آخری حرف پر دو زبر ً دو زیر ٍ یا دو پیش ٌ لگائے جاتے ہیں۔ تنوین عربی الفاظ کے لئے مخصوص ہے۔ اُردو اور فارسی میں اس کا استعمال نہیں ہے۔ البتہ عربی کے بہت سے الفاظ اردو میں تنوین کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔ جیسے مثلاً۔ فوراً۔ رسماً۔ نسلاً بعد نسلٍ، ۔ اُردو املا میں تنوین کا استعمال کہاں ہونا چاہئے اور کہاں نہیں۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

تشدید۔ جب کسی لفظ میں ایک حرف دو بار آواز دیتا ہے اور دو بار پڑھا جاتا ہے تو اسے دو دفعہ لکھنے کے بجائے صرف ایک بار لکھتے ہیں اور اس پر تشدید کا نشان ّ لگا دیتے ہیں جیسے بلّی۔ کتّا۔ بچّہ۔ لڈّو۔ اچھّا میں۔ جس حرف پر تشدید آتی ہے وہ مُشدّد کہلاتا ہے۔ یہ حرف پہلی بار ساکن اور دوسری بار متحرک ہوتا ہے جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے۔

رموز اوقاف یا علامات اوقاف

الفاظ کو صحت املا کے ساتھ لکھنے کے بعد جملے یا عبارت کو صحیح طور پر لکھنے کی منزل آتی ہے۔ عبارت کے صحیح طور پر لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اسے صحیح طور پر پڑھا جا سکے۔ اس کے لئے بھی چند علامتیں مقرر ہیں۔ انھیں اصطلاحی زبان میں رموزِ اوقاف (PUNCTUATION) کہا جاتا ہے۔ رموز جمع ہے رمز کی اور رمز کے معنی ہیں اشارہ یا علامت اور اوقاف جمع ہے وقف کی۔ وقف کے معنی ہیں ٹھہراؤ یا وقفہ۔

اردو زبان کی اصطلاح میں رموزِ اوقاف، بقول مولوی عبدالحق ان علامتوں کو کہتے ہیں جو ایک جملے کو دوسرے جملے سے یا کسی جملے کے ایک حصے کو دوسرے حصوں سے علاحدہ کریں۔ ان اوقاف کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اول تو ان کی وجہ سے نظر کو سکون ملتا ہے اور وہ تھکنے نہیں پاتی دوسرے بڑی بات یہ ہے کہ ذہن پر جملے یا جزِ جملہ کی اصلی اہمیت کو جان لیتا ہے اور مطلب سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

اردو میں "رموزِ اوقاف" کو ایک مدّت تک نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ

قدیم مخطوطات ومطبوعات کے متن کی تدوین اور قرأت میں بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ اُستاذی ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب کے قول کے مطابق مولانا حالی کی " یادگار غالب " پہلی کتاب ہے۔ جس میں رموز اوقاف کا ہر طرح لحاظ رکھا گیا ہے۔ اردو میں رموز اوقاف کی مستعمل اور مروج علامتیں یہ ہیں :-

اردو نام	علامت	انگریزی نام
۱۔ ختمہ (پورا ٹھہراؤ)	—	FULLSTOP
۲۔ سکتہ (چھوٹا ٹھہراؤ)	،	COMMA
۳۔ وقفہ (ٹھہراؤ)	؛	SEMI COLAN
۴۔ رابطہ	:	COLAN
۵۔ تفصیلیہ	:-	COLAN DASH
۶۔ خط	—	DASH
۷۔ سوالیہ	؟	INTROGATION
۸۔ فجائیہ اور ندائیہ	!	EXCLAMATTON
۹۔ قوسین	( )	BRACKET
۱۰۔ واوین	" "	INVERTED COMMA
۱۱۔ زنجیرہ	^	HYPHEN

حروفِ تہجی اور ان کی مختلف شکلوں کا محلِ استعمال

اردو املا کے سلسلے میں جو باتیں اب تک زیر بحث آئی ہیں ہر چند کہ ان کا تعلق صرف حروف کی اشکال۔ اعراب کے نشانات اور بعض دوسری علامتوں سے ہے۔ لیکن ہیں بنیادی حیثیت کی۔ اس لئے کہ جب تک ان باتوں سے آگاہی نہ ہو۔ صحت کے ساتھ کسی لفظ یا عبارت کا لکھنا بہت مشکل ہے۔ اب اس پر غور کرنا ہے کہ جن اشکال و علامات کا ذکر اوپر آیا ہے ان کا صحیح استعمال کہاں کہاں اور کس کس طرح ہو گا۔ اس سلسلے میں صرف ان حروف و علامات کو زیر بحث

لایا جائے گا جن کا استعمال عام طور پر غلط کیا جا رہا ہے یا جن کے استعمال میں غلطی کے امکانات زیادہ ہیں۔

الف۔ الف کے استعمال کے قابل توجہ مقامات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عربی و فارسی کے بعض الفاظ جن کے آخر میں ہائے مختفی یا ہائے غیر ملفوظی ہوتی ہے آ کی آواز پر ختم ہوتے ہیں۔ اس قیاس پر بعض غیر عربی و فارسی یا ہندی الفاظ بھی الف کے بجائے ہائے مختفی سے لکھے جانے لگے ہیں جیسے گھونسلہ۔ مہینہ۔ بھروسہ۔ ناشتہ ٹبہ۔ تمغہ۔ دوپٹہ۔ باڑہ۔ بیڑہ۔ ٹبوہ۔ بلبلہ۔ بنجارہ۔ لچہّ۔ پسینہ۔ تارہ چبوترہ کتھ۔ دھوکہ۔ میلہ۔ ڈرامہ۔ مارکہ (نشان) بھانجہ۔ بھتیجہ۔ تانگہ۔ پٹاخہ۔ اکہّ۔ آنولہ۔ ڈبہ۔ راجہ۔ دھماکہ۔ کلیجہ۔ بھتہ۔ روپیہ وغیرہ اردو املا میں ان الفاظ کے آخر میں "ہ" کے بجائے الف لکھنا چاہئے۔ چنانچہ ان کا صحیح املا ہوگا۔ گھونسلا مہینا۔ بھروسا۔ ناشتا۔ ٹبا۔ تمغا۔ دوپٹا۔ باڑا۔ بیڑا۔ ٹبوا۔ بلبلا۔ بنجارا۔ لچا۔ پسینا۔ تارا۔ کتھا۔ دھوکا۔ میلا۔ ڈراما۔ مارکا۔ بھانجا۔ بھتیجا۔ تانگا۔ پٹاخا۔ اکاّ آنولا۔ ڈبا۔ راجا۔ دھماکا۔ کلیجا۔ بھتاّ۔ روپیا۔ وغیرہ اس قسم کے لفظوں میں آنہ۔ اور پتہ کو مستثنی کر سکتے ہیں تاکہ آنا اور پتاّ میں فرق قائم رہے۔

لیکن اسم علم یا خاص نام (PROPER NOUN) پر مندرجہ بالا اصول کا اطلاق نہ ہوگا یعنی غیر عربی فارسی اسم علم کے آخر میں اگر ہائے مختفی لکھی جاتی ہے تو وہ اسی طرح قائم رہے گی جیسے پٹنہ۔ آگرہ۔ ہزارہ۔ ٹونڈلہ۔ شملہ وغیرہ[۱]

۲۔ عربی کے بعض الفاظ میں "ی" کے اوپر الف لکھا جاتا ہے۔ جیسے موسیٰ۔ مولینا۔ علیحدہ دعویٰ۔ مقفیٰ۔ تقویٰ۔ مربیٰ۔ مصفیٰ۔ منقیٰ۔ معریٰ۔ مطلیٰ۔ معمیٰ۔ مدعیٰ۔ مقفیٰ معلیٰ۔ تقاضیٰ۔ اعلیٰ۔ ادنیٰ۔ وغیرہ ہیں۔ اردو املا میں "ی" کی ضرورت نہیں صرف الف سے لکھنا چاہئے جیسے مولا۔ مولانا۔ علاحدہ۔ دعوا۔ تقوا۔ مربا۔ معما۔ منقا۔

---

[۱] اردو کی گنتیاں گیارہ تا اٹھارہ بھی "ہ" کے ساتھ لکھی جائیں گی۔ یعنی ان کے آخری حرف "ہ" کو الف سے بدلنا درست نہ ہوگا۔ سارے ماہرین اردو اس پر متفق ہیں۔

معرا۔ معما۔ مدعا۔ مصفّا۔ متفّا۔ معلّا۔ تقاضا۔ اعلا۔ ادنا وغیرہ لیکن اسم علم (Proper Noun) میں اصل املا قائم رہے گا۔ چنانچہ عیسیٰ۔ موسیٰ۔ سلمٰی کو اسی طرح لکھا جائے گا۔

۳۔ عربی فارسی کے بعض الفاظ کے آخر کی ہائے مختفی بھی اردو جمع کی صورت میں الف سے بدل جاتی ہے۔ چنانچہ بیوہ۔ دایہ۔ قحبہ۔ قابلہ۔ سلمہ، خلیفہ۔ اور علامہ کی جمع تحریری صورت میں بیوائیں۔ دایائیں۔ قحبائیں۔ قابلائیں۔ سلمائیں خلیفاؤں اور علاماؤں ہوگی۔

۴۔ عربی کے وہ مصادر جو افعال۔ افتعال اور استفعال کے وزن پر آتے ہیں اور جن کے آخر میں ہمزہ آتا ہے اردو میں بغیر ہمزہ لکھے جائیں گے مثلاً۔

(الف) افعال کے وزن کے الفاظ میں املاء۔ انشاء۔ اخفاء۔ القاء وغیرہ کا املا اردو میں املا انشا۔ اخفا اور القا ہو جائے گا۔

(ب) افتعال کے وزن کے لفظوں میں ابتداء۔ اشتہاء۔ ارتقاء۔ استواء۔ التواء۔ اقتداء۔ اقتضاء۔ ابتلاء وغیرہ کو اردو میں ابتدا۔ اشتہا۔ ارتقا۔ استوا۔ التوا۔ اقتدا۔ اقتضا اور ابتلا لکھا جائے گا۔

(ج) استفعال کے الفاظ میں استعفاء۔ استفتاء۔ استغناء۔ استدعاء۔ استقراء۔ استنجاء۔ وغیرہ کو بھی ہمزہ کے بغیر لکھا جائے گا۔

۵۔ عربی کے بعض الفاظ کی جمع فُعلاء کے وزن پر ہمزہ کے ساتھ آتی ہے۔ جیسے شعراء۔ جہلاء۔ امراء۔ فقراء۔ وزراء۔ حکماء اور غرباء وغیرہ۔ انھیں بھی ہمزہ کے بغیر شعرا۔ جُہلا۔ امرا۔ فقرا۔ وزرا۔ حکما اور غربا لکھا جائے گا۔

۶۔ عربی کے کچھ اور ایسے الفاظ مستعمل ہیں جن کے آخر میں ہمزہ آتا ہے جیسے کبریاء۔ دعاء۔ دواء۔ بلاء۔ عشاء۔ سوء وغیرہ اردو املا میں یہ بھی ہمزہ کے بغیر کبریا۔ دعا۔ دوا۔ بلا۔ عشا۔ سو وغیرہ لکھے جائیں گے۔

۷۔ عربی میں بعض الفاظ کا مؤنث "فُعلیٰ" کے وزن پر آتا ہے جیسے اکبر سے کُبریٰ۔ اصغر سے

صُغریٰ۔ احسن سے حُسنیٰ، اول سے اُولیٰ اعظم سے عُظمیٰ وغیرہ۔ اردو میں کُبرا۔ صُغرا۔ حُسنا۔ اولا۔ عظما لکھنا چاہئے۔ البتہ اگر یہ اسم علم ہوں اور کوئی شخص اپنے نام کے ہجے عربی املا ہی کی طرح لکھتا ہو تو ایسے خاص موقعوں پر اصل صورت ہی برقرار رہے گی۔

۸۔ عیب و رنگ کے معنی رکھنے والے بعض عربی الفاظ کی تانیث فَعلاء کے وزن پر آتی ہے جیسے اسود سے سوداء۔ اخضر سے خضراء۔ اصغر سے صفراء۔ احمر سے حمراء۔ ابیض سے بیضاء۔ احمق سے حمقاء۔ اُردو میں ان کا املا بھی ہمزہ کے بغیر سودا۔ خضرا۔ صفرا۔ حمرا۔ بیضا اور حمقا ہوگا۔

۹۔ عربی میں جن الفاظ کی جمع اَفعلاء کے وزن پر آتی ہے۔ ان کے آخر میں بھی ہمزہ آتا ہے۔ جیسے شقی۔ غنی۔ ولی۔ نبی اور سخی کی جمعیں۔ اشقیاء۔ اغنیاء۔ اولیاء۔ انبیاء۔ اسخیاء وغیرہ انھیں بھی بغیر ہمزہ لکھا جائے گا۔

۱۰۔ عربی کے بعض ایسے حروف جر بھی اردو میں مستعمل ہیں جن پر الف مقصورہ آتا ہے یعنی بظاہر الف لکھا جاتا ہے۔ جیسے علیٰ۔ الیٰ اور حتیٰ ان کو اسی طرح لکھا جائے گا۔ اس لئے کہ یہ اسم یا صفت نہیں حرف جار ہیں اور عربی اسم یا صفت سے مرکب ہو کر ہی اردو میں بولے جاتے ہیں جیسے علیٰ الاعلان۔ علیٰ ہذا القیاس۔ علی العموم۔ علیٰ الرغم۔ الی الاخرہ۔ حتی الوسع۔ حتی المقدور وغیرہ۔

۱۱۔ عربی کے بعض الفاظ حرف جار ب اور فی کسی لفظ سے مرکب ہو کر اردو میں بولے جاتے ہیں جیسے بالفرض۔ بالطبع۔ بالمقابل۔ فی الحال۔ فی الوقت وغیرہ ان الفاظ کا الف پڑھنے میں نہیں آتا لیکن اسے لکھنا چاہئے اس لئے کہ یہ "ال" کا جزو ہے اور ان مرکبات کی حیثیت اردو میں اسم مفرد کی سی ہے۔ ہم اس قیاس پر اردو میں دوسرے مرکبات نہیں ڈھال سکتے۔ صاحب کیفیہ نے جیسا سنو ویسا لکھو کے اصول کو مدنظر رکھ کر انھیں بالفرض۔ فلحال۔ فلوقت۔ بلمقابل اور بطّبع لکھنے کا مشورہ دیا ہے لیکن ایسا کرنے سے اردو املا میں اور کئی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔ جیسا سُنو ویسا لکھو۔ کا اصول پوری طور پر کسی زبان کے املا میں قابل عمل نہیں ہے۔ اردو میں اگر اس اصول کو

اپنایا جائے تو خوش ۔ خواب ۔ خورد ۔ خورشید ۔ خواہش وغیرہ کو بغیر واؤ کے لکھنا ہوگا ۔ تعلیم ۔ تعظیم ۔ معلوم ۔ شمع وغیرہ میں ع کے بجائے الف لکھا جائے گا ۔ کلمہ ۔ قاعدہ ۔ عمدہ ۔ بستہ وغیرہ کی ہائے مختفی الف سے بدل جائے گی ۔ عبد الصمد ۔ عبد الرشید ۔ عبد الوحید ۔ عبد اللہ وغیرہ سے ال یا الف کو محذوف کرنا ہوگا ۔ غرضکہ جیسا سنو ویسا لکھو کا اصول کلی طور پر کار آمد نہیں ہو سکتا ۔ اس لئے عربی مرکبات کو اصلی صورت ہی میں لکھنا چاہئے ۔

۱۲ ۔ عربی کے بعض دوسرے مرکبات مثلاً عند الطلب ۔ ما بہ الامتیاز ۔ درس القرآن ۔ مافی الضمیر فقید المثال ۔ ساقط الاعتبار ۔ رسم الخط ۔ لیلۃ القدر ۔ نصف النہار ۔ آخر الامر ۔ اظہر من الشمس وغیرہ کو بھی اسی طرح لکھنا چاہئے کہ یہ مرکبات اردو میں عام ہو چکے ہیں ۔

۱۳ ۔ عربی میں ا صرف ی کے اوپر نہیں کبھی کبھی دوسرے حروف کے اوپر بھی لکھا جاتا ہے جیسے اسمٰعیل ۔ اسحٰق ۔ اس الف کو الف مقصورہ سمجھنا غلطی ہوگی ۔ یہاں الف ی کا بدل نہیں ہے ۔ بلکہ الف کی پوری آواز دیتا ہے ۔ اس لئے اردو املا میں ان الفاظ کو اسماعیل ۔ اسحاق اور سلیمان لکھنا چاہئے ۔

۱۴ ۔ عربی کے بعض الفاظ کی جمع فعالیٰ کے وزن پر آتی ہے جیسے صحرا سے صحاریٰ ۔ دعویٰ سے دعاویٰ ۔ فتویٰ سے فتاویٰ اور یتیم سے یتامیٰ ۔ ان کے املا میں الف کو ی کے اوپر اسی طرح رہنے دیا جائے اول اس لئے کہ یہ واحد لفظ کی جمع ہیں اور جمع کے وزن کی طرف اشارہ کرتے ہیں ۔ دوسرے اس لئے کہ اس نوع کے الفاظ صرف چند ہیں اور ان کا استعمال علمی وادبی زبان کی بہت اونچی سطح پر ہی ہوتا ہے ۔

۱۵ ۔ جن واحد مذکر لفظوں کے آخر میں "ہ" یا الف ہو اور ان کی جمع یائے تحتانی لگانے لگانے سے بن سکتی ہو[1] اور ان کے فوراً بعد حروف عاملہ (مغیرہ) یعنی تک سے ۔ کو ۔ کے ۔ کی

---

[1] اردو میں صرف وہی الفاظ امالہ قبول کرتے ہیں جن کی جمع یائے تحتانی لگانے سے بن سکتی ہے کوئی ضروری نہیں کہ وہ جمع مستعمل بھی ہو ۔ مثلاً پٹنہ ، ڈھاکا کی جمع چونکہ پٹنے اور ڈھاکے بن سکتی ہے اس لئے پٹنہ اور ڈھاکا کا اسم خاص ہونے کے باوجود امالہ قبول کریں گے ، لیکن امریکہ اور ایشیا امالہ قبول نہیں کریں گے اس لئے کہ ان کی جمع نہیں بن سکتی ۔

میں۔ پر۔ نے وغیرہ میں سے کوئی حرف آئے تو اردو املا میں اس الف کو یائے تحتانی سے بدل دیا جائے گا جیسے ان جملوں میں:۔

(۱) اس لڑکے کو بلاؤ

(۲) بیٹے نے باپ سے کہا۔

(۳) آنحضرت پیدا مکے میں ہوئے دفن مدینے میں ہوئے۔

(۴) کوٹھے سے نیچے اتر آؤ۔

(۵) میں آپ کے بھروسے پر بیٹھا رہا۔

(۶) ماں نے بچے کو کلیجے سے لگالیا۔

(۷) تاج محل آگرے میں ہے۔

لڑکا۔ بیٹا۔ مکہ۔ مدینہ۔ کوٹھا۔ بھروسہ۔ بچہ اور کلیجا اور آگرہ کے الف اور ہ کو حروف مغیرہ کے سبب یائے تحتانی سے بدل دیا گیا ہے۔ قواعد میں اس عمل کو امالہ کہتے ہیں۔

۱۷۔ لیکن مندرجہ ذیل الفاظ امالہ قبول نہیں کرتے یعنی ان کے آخر کی ہ یا الف کو حروف مغیرہ کے سبب ہائے تحتانی سے نہیں بدلا جائے گا۔

(۱) سنسکرت یا سنسکرت سے آئے ہوئے بعض ہندی الفاظ اور اسم خاص جیسے راجا۔ سبھا۔ بھاکا۔ مالا۔ گنگا۔ جمنا۔ متھرا۔ گھاگھرا۔ گیا۔ داتا۔ جاترا۔ پوجا وغیرہ۔

(۲) بعض فارسی الفاظ جیسے خدا۔ دریا۔ آشنا۔ پا۔ دانا۔ بینا۔ پارسا۔ دارا۔ جہاں آرا۔ دل کشا۔ ہما۔ کیمیا۔ مینا۔ ثریا وغیرہ۔

(۳) رشتے ظاہر کرنے والے بعض ہندی الفاظ جیسے دادا۔ نانا۔ پھوپا۔ بابا۔ چچا۔ ابا۔ بادا ماتا۔ پتا۔ بھیا۔ آپا۔

(۴) بعض دوسرے اسم خاص جیسے بخارا۔ ایشیا۔ امریکہ۔ پرشیا۔ لنکا۔ برما۔ ہمالیہ۔

(۵) عربی کے ایسے مصادر اور اسم مفعول جن کا آخری حرف اردو املا میں الف ہوتا ہے جیسے ابتدا۔ ارتقا۔ انتہا۔ اشتہا۔ اخفا۔ افترا۔ املا۔ التجا۔ تمنا۔ استغنا۔ استدعا۔

استثنا - مدعا - منتہا - مقتضا وغیرہ لیکن تقاضا اور تماشا کے الفاظ امالہ قبول کرتے ہیں بشرطیکہ یہ اصل معنی سے ہٹ کر اردو معنی کے مطابق استعمال ہوں۔

(۶) عربی کے سہ حرفی الفاظ جیسے دعا - میل - بلا - فنا - عبا - قبا - ہوا - صبا - غذا - ثنا - صدا - جزا - جفا - وفا - ادا - بقا وغیرہ البتہ سودا کا لفظ اردو معنی میں امالہ قبول کرے گا۔

(۷) بعض لقب، خطاب اور عہدوں کے نام جیسے علامہ - خلیفہ - آقا - آغا - مرزا - ملا - مولانا پیشوا - دولھا - نوشہ وغیرہ۔

(۸) عربی الفاظ جن کے آخر میں الف ی کے اوپر لکھا جاتا ہے جیسے ادنیٰ - اعلیٰ اولیٰ وغیرہ۔

(۹) عربی الفاظ جن کے آخری حرف ہ سے پہلے ع مفتوح ہو - جیسے جمعہ اور قلعہ کے الفاظ لکھنے میں امالہ قبول نہیں کریں گے - ہاں پڑھنے میں ان کا تلفظ ہائے تحتانی کے ساتھ کیا جائے گا۔

(۱۰) فُعلاء کے وزن کی عربی جمع مثلاً شُعرا - عُلما - فُصحا - جُہلا - فُقرا وغیرہ۔

(۱۱) فارسی کے اسم مفعول مثلاً شنیدہ - گفتہ - رفتہ - خفتہ - سوختہ - آزمودہ - پختہ وغیرہ لیکن دیدہ (بمعنی آنکھ) کشتہ (بمعنی طبی اصطلاح) امالہ قبول کریں گے۔

(۱۲) فارسی کے اسم فاعل مثلاً آئندہ - تابندہ - رخشندہ - پایندہ وغیرہ - لیکن زندہ - سازندہ - دہندہ وغیرہ اردو میں امالہ قبول کریں گے۔

(۱۳) ایسے تمثیلی و تشبیہی الفاظ جن کے آخر میں انہ بطور لاحقہ آتا ہے - جیسے مادرانہ - فسانہ - رندانہ - خسروانہ - حریفانہ - شاعرانہ وغیرہ لیکن ایسے الفاظ جن میں "انہ" کا ٹکڑا تشبیہہ و تمثیل کے سوا کچھ اور معنی دے گا - امالہ قبول کریں گے - جیسے دیوانہ - افسانہ جرمانہ - پیمانہ - محنتانہ - زمانہ - مردانہ - پروانہ۔

(۱۴) فارسی کے مرکب اضافی و توصیفی - اور عطفی جیسے آب و دانہ - دلِ دیوانہ - شمع و پروانہ مردِ فرزانہ - چراغِ کعبہ وغیرہ۔

(۱۵) عربی کے اسمائے مؤنث جیسے والدہ - ماجدہ - عقیلہ - جمیلہ - عاصمہ - سلیمہ -

حلیمہ وغیرہ۔

(۱۶) ہندی کے بعض اسمائے مونث جیسے گڑیا۔ چڑیا۔ بندریا۔ اٹریا۔ گوریا۔ ڈلیا۔ کن کیا وغیرہ

۱۷۔ حروف مغیرہ یا عاملہ یعنی نے، کو، کے، کا، سے، تک، پر، میں کے علاوہ کچھ اور ایسے حروف یا الفاظ ہیں جو قابلِ امالہ الفاظ کے بعد استعمال ہوتے ہیں تو ہائے مختفی یا الف کو یائے تحتانی سے بدل دیتے ہیں۔ مثلاً

(۱) جن قابلِ امالہ الفاظ کے بعد "جیسا، جیسی، جیسے کے الفاظ آئیں گے، ان کے آخر کی ہائے مختفی یا الف یائے تحتانی سے بدل جائیں گے جیسے گھوڑے جیسی چال۔ گدھے جیسا دماغ، کھمبے جیسے موٹے۔

(۲) "والا" "والے" "والی" کے الفاظ کبھی امالہ کا سبب ہوتے ہیں جیسے تانگے والا۔ گھوڑے والا۔ بھروسے والی۔ حوصلے والے وغیرہ۔

(۳) اسم فاعل مرکب میں قابل امالہ الفاظ کے ساتھ "دار" "دار، باز اور بان کا استعمال بھی امالہ کا سبب ہوتا ہے۔ جیسے مزے دار۔ فرقے دار۔ گلے باز، نشے باز، سٹے باز، یکے بان وغیرہ

(۴) تعظیم اور ندا سے کبھی کبھی امالہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے جیسے، چل مرے خامے بسم اللہ، بیٹے ادھر آؤ۔ اور مدینے شریف، مکّے شریف وغیرہ۔

(۵) جب لفظ کی تکرار سے حال کا اظہار کیا جائے تو بھی امالہ ہوگا خواہ ذوالحال مذکر ہو یا مونث جیسے لڑکی لیٹے لیٹے سوگئی۔ میں پڑے پڑے بور ہوگیا۔

ذ یا ز

(۱) 'ذرا' دراصل عربی لفظ 'ذرّہ' کی تخفیف ہے۔ اس لئے اسے "ذال" سے لکھنا چاہئے۔ بعض اسے 'ز' سے لکھتے ہیں۔ رواج عام "ذال" ہی کا ہے اور یہی درست ہے۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے اس غرض سے کہ اردو میں 'ذرا' کے معنی عربی "ذرّہ" کے معنی سے بہت مختلف ہوگئے ہیں۔ اسے "ز" سے لکھنے کا مشورہ دیا ہے۔ لیکن 'ذ' کو 'ز' سے بدلنے کا یہ جواز کافی نہیں ہے۔ بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو اردو میں عربی سے مختلف معنی رکھتے ہیں لیکن ان کا املا عربی ہی کی طرح لکھا جاتا ہے۔ استاذی ڈاکٹر غلام مصطفی خاں نے بھی ذرا کے املا میں ذال ہی کو ترجیح دی ہے۔

(۲) غالب نے ایک خط میں یہ رائے ظاہر کی تھی کہ " ذ " عربی سے مخصوص ہے۔ فارسی میں نہیں آتا اس لئے فارسی کے مصادر۔

(۱) گذشتن۔

(۲) پذیرفتن۔

(۳) گذاشتن۔

اور ان سے مشتق الفاظ مثلاً گذشتہ پذیرائی۔ گذارش۔ گذر۔ فروگذاشت وغیرہ کو ذ سے نہیں ز سے لکھنا چاہئے۔ صاحب کیفیہ نے بھی یہی مشورہ دیا ہے۔ لیکن غالب کی یہ رائے صحیح نہیں ہے۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی مرحوم، قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کی تحقیق کے مطابق " ذ " عربی کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ فارسی میں بھی موجود ہے اور مذکورہ بالا الفاظ کے علاوہ کاغذ اور آذر کو بھی اہل ایران نے " ذ " ہی سے لکھا ہے، اُردو میں بھی گذشتن۔ پذیرفتن اور گذاشتن کو عام طور پر ذال ہی سے لکھنے کا رواج ہے اور یہی درست ہے۔ صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسے " ز " سے بھی لکھا جا سکتا ہے لیکن ترجیح " ذ " ہی کو دینا چاہئے۔ یہی مقبول ترین روش ہے۔

(۳) آذر اور آزر دو الگ لفظ ہیں۔ فارسی لفظ ہیں آذر کا اِملا ذال ہی سے ہوگا۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام ذال سے نہیں " ز " سے آزر لکھنا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ نام قرآن پاک میں " ز " کے ساتھ اسی طرح آیا ہے۔

(۴) عربی کے دو الفاظ ذکی اور زکی بھی اُردو میں مستعمل ہیں۔ ذ کے معنی ہیں تیز۔ فہیم اور اور قابل ملامت۔ اس لئے یہ عام طور پر اسم علم نہیں ہوتا بلکہ اسم صفت کے طور پر بولا جاتا ہے۔ زکی کے معنی ہیں پاک اور یہ اکثر اسم علم ہوتا ہے جیسے زکی الدین۔ محمد زکی۔ زکی احمد وغیرہ اس لئے جب اسم علم یعنی کسی کا نام ہو تو ز سے اور اسم صفت ہو تو " ذ " سے لکھنا چاہئے۔

(۵) زکریا۔ زخار اور زکات کو بھی بعض لوگ " ز " کے بجائے ذ سے لکھتے ہیں۔ یہ درست نہیں ہے۔ انھیں " ز " سے لکھنا چاہئے۔

(۶) ذات کا لفظ خواہ نفس اور شخص کے معنی میں ہو یا نسل و قوم کے معنی میں "ذ" ہی سے لکھا جانا چاہیئے۔ اس لئے رواج عام یہی ہے۔

(۷) آزوقہ کا لفظ اردو فارسی، لغات میں ز اور ذ دونوں سے ملتا ہے۔ یعنی آزوقہ بھی لکھا جاتا ہے۔ اور آذوقہ بھی اردو میں ان کا املا ز سے ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ آزوقہ کا لفظ فارسی ہے۔ لیکن دونوں طرح لکھنے میں بھی کوئی خاص قباحت نہیں۔

"ت یا ط"

(۱) طوطا ایک مقامی پرندہ ہے نہ تو یہ طوطی کی تذکیر ہے اور نہ عربی فارسی لغت سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ اس لئے اس کا املا "توتا" ہونا چاہیئے تھا۔ بعض نے ت سے لکھا بھی ہے اور ت سے لکھنے کا مشورہ بھی دیا ہے لیکن اس کا املا "ط" سے اتنا عام ہو چکا ہے کہ اب اسے "ط" ہی سے طوطا لکھنا چاہیئے۔

(۲) طپش اور تپش۔ دونوں لفظ فارسی کے مصدر طپیدن اور تپیدن کے حاصل مصدر ہیں۔ چونکہ فارسی لغات اور صفوۃ المصادر میں یہ مصدر "ط" اور "ت" دونوں سے ملتا ہے۔ اس لئے طپش اور تپش کا املا ط اور ت دونوں سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ترجیح ت کو دینا چاہیئے۔

(۳) تیّار۔ یا طیّار۔ تیار بمعنی مستعد اور آمادہ عام ہے۔ لیکن فارسی اور اردو کی مستند تحریروں میں طیار بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ چونکہ اول الذکر کو قبول عام حاصل ہے اس لئے ت ہی سے لکھنا چاہیئے۔ البتہ جہاں طیّار کا لفظ اڑنے والے کے معنی میں استعمال ہو "ط" ہی سے لکھا جائے گا۔

(۴) تولیہ یا طولیہ — بعض لوگ طولیہ لکھتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ تولیہ لکھنا چاہیئے۔

(۵) تشت اور طشت۔ اردو فارسی لغات میں دونوں طرح ملتا ہے۔ اس لئے دونوں طرح صحیح ہے۔ ترجیح "ت" کو دینی چاہیئے۔

ہمزہ

اردو میں ہمزہ کے استعمال کے قابل توجہ مقامات یہ ہیں۔

(۱) اردو کے جن مصدروں کی علامت "نا" ہٹانے سے امر کے آخر میں الف آئے گا جیسے آ (آنا سے) جا (جانا سے) کھا (کھانا سے) لا، (لانا سے) گا (گانا سے) وغیرہ

ان کے افعال کی مندرجہ ذیل صورتوں میں ہمزہ کا استعمال ہوگا۔

(الف) مضارع واحد غائب واحد حاضر۔ جیسے آئے۔ جائے۔ کھائے۔ لائے۔ گائے وغیرہ اور واحد غائب اور واحد حاضر کی بھی یہی صورت ہوگی۔

(ب) مضارع جمع غائب جمع متکلم جیسے جمع حاضر (آپ) جائیں۔ کھائیں۔ گائیں وغیرہ

(ج) مضارع (جبکہ فاعل ضمیر واحد متکلم میں ہو) جیسے آؤں۔ جاؤں۔ کھاؤں۔ لاؤں گاؤں وغیرہ۔

(د) فعل مستقبل میں بھی یہ تینوں صورتیں باقی رہیں گی جیسے آئے گا۔ جائے گا۔ آئیں گے۔ جائیں گے۔ آؤں گا۔ جاؤں گا وغیرہ۔

(س) فعل امر (جبکہ فاعل ضمیر حاضر جمع "تم" ہو) جیسے آؤ۔ جاؤ۔ کھاؤ۔ لاؤ، گاؤ وغیرہ

(ہ) فعل امر (جبکہ فاعل ضمیر حاضر "آپ" ہو) جیسے۔ آئیے۔ جائیے۔ کھائیے۔ لائیے گائیے

(ک) واحد غائب مذکر۔ واحد حاضر مذکر اور واحد متکلم مذکر کو چھوڑ کر ماضی کے سارے صیغوں میں جیسے وہ آئی۔ وہ آئے۔ وہ آئیں۔ تو آئی۔ تم آئے۔ تم آئیں۔ میں آئی۔ ہم آئے۔

۲۔ ایسے مصادر جن کی علامت نا ہٹانے سے امر کے آخر میں واو آتی ہے جیسے سونا سے سو۔ کھونا سے کھو۔ رونا سے رو۔ دھونا سے دھو وغیرہ ان کی مندرجہ ذیل شکلوں میں ہمزہ آئے گا۔

(ا) ماضی واحد مؤنث اور جمع مذکر غائب میں جیسے روئی۔ سوئی۔ کھوئی۔ دھوئی اور سوئے۔ کھوئے، سوئے، دھوئے وغیرہ

(ب) امر کی مندرجہ ذیل صورتوں میں ہمزہ آئے گا جیسے۔

(۱) سوئیے۔ کھوئیے۔ دھوئیے۔ روئیے۔ بوئیے۔

(۲) بوئیں۔ سوئیں۔ کھوئیں۔ روئیں۔ دھوئیں۔ چھوئیں۔

(۳) بوؤ (بونا سے امر) سو (سونا سے امر) کھوؤ (کھونا سے امر) روؤ (رونا سے امر) دھوؤ (دھونا سے امر) چھوؤ (چھونا سے امر)

۳۔ جن مصدروں کی علامت نا ہٹانے سے امر کے آخر میں چھوٹی یا بڑی ی آتی ہے

جیسے پینا سے پی ۔ جینا سے جی ۔ سینا سے سی ۔ لینا سے لے ۔ دینا سے دے ۔ کھینا سے کھے ۔ ان کے افعال کی کسی بھی شکل میں ہمزہ نہیں آئے گا ۔ یعنی پیو ۔ سیو ۔ جیو ۔ کھیو ۔ سیو یا، پیجیئے ۔ لیجئے ۔ دیجئے ۔ وغیرہ میں ہمزہ نہیں لکھا جائے گا ۔ کرنا سے کیجئے اور کیے بھی بغیر ہمزہ لکھا جائے گا ۔

(۴) ایسے مصادر جن کی علامت مصدر ”نا“ ہٹانے سے امر کے آخر میں الف ۔ و ۔ ی کے علاوہ کوئی اور حرف صحیح آتا ہو جیسے کہنا سے کہہ ۔ پڑھنا سے پڑھ ۔ لکھنا سے لکھ ۔ رونا سے رو ۔ دوڑنا سے دوڑ ۔ گھومنا سے گھوم ۔ کاٹنا سے کاٹ ۔ جھانکنا سے جھانک وغیرہ ان کے افعال کی بھی ہر شکل بغیر ہمزہ کے لکھی جائے گی ۔ یعنی کہیے، پڑھیے، لکھیے ۔ دوڑیے ۔ گھومیے ۔ کاٹیے ۔ جھانکیے وغیرہ میں ہمزہ نہیں آئے گا ۔

(۵) جانا مصدر اور اس کے ماضی مطلق ”گیا“ کی تانیث اور جمع میں ہمزہ آئے گا جیسے گئی ۔ گئے ۔ گئیں ۔

(۶) نون غنہ والے بعض الفاظ مثلاً دھواں ۔ کواں ۔ رواں کے بعد جب حروف مغیرہ یعنی تک نے، پر، سے، کو، میں سے کوئی حرف آئے گا تو ان میں ہمزہ لکھا جائے گا جیسے دھوئیں میں ۔ کنوئیں سے ۔ دھوئیں نے ۔ کنوئیں میں ۔ دھوئیں کوئیں تک ۔

(۷) مندرجہ ذیل قسم اور وزن کے حاصل مصدروں اور دوسرے اسماکی ی پر ہمزہ آئے گا خواہ وہ کسی زبان کے لفظ ہوں ۔ جیسے لکھائی پڑھائی ۔ دھلائی ۔ تپائی ۔ چٹائی ۔ رعنائی ۔ جلوہ آرائی ۔ آشنائی ۔ شہنائی وغیرہ ۔

(۸) مندرجہ بالا وزن اور قافیے کے دوسرے اسم صفت یا اسم جامد بھی ہمزہ کے ساتھ ہی لکھے جائیں گے ۔ جیسے برائی ۔ بھلائی ۔ دائی ۔ مائی ۔ نائی ۔ بلوائی ۔ بائی ۔ جھنگائی ۔ رائی اکائی ۔ دہائی ۔ حلوائی وغیرہ

(۹) عربی فارسی کے سارے ایسے الفاظ جن کے کسی درمیانی حرف پر مستقل حرف کی حیثیت سے ہمزہ آتا ہے اردو املا میں بھی ہر جگہ برقرار رہے گا ۔ جیسے رسوائی ۔ فائدہ ۔ فوائد ۔ سائبان شائیگاں ۔ رائیگاں ۔ شرائط ۔ جزائر ۔ جرأت ۔ قرأت ۔ دائرہ ۔ نقائص ۔ قائل ۔ مسائل

ذائقہ ۔ خائفہ ۔ طائفہ ۔ لائق ۔ فائق وغیرہ ۔

۱۰۔ عربی کے بعض ایسے الفاظ بھی ا... مستعمل ہیں جن کے حروف اصلی میں ہمزہ نہیں آتا اور عربی تلفظ یا املا میں ی ہی لکھی جاتی ہے ۔ جیسے مصایقہ ۔ مغایرت ۔ معاینہ وغیرہ ۔ لیکن ان الفاظ میں چونکہ الف اور ی دو حروف علت یکجا ہو گئے اس لئے اردو تلفظ میں ی کی آواز دب کر ہمزہ کی طرح نکلتی ہے ۔ بقول پروفیسر حبیب اللہ عفنفر ان الفاظ کے اردو تلفظ میں ی کی آواز کو ادا کرنا ممکن ہی نہیں ہے ۔ اس لئے اس قسم کے الفاظ کو بھی اردو میں ہمزہ ہی کے ساتھ مضائقہ ۔ مغائرت معائنہ لکھنا چاہئے ۔ شائع ۔ ضائع ۔ مائع کی بھی یہی صورت ہوگی یعنی اردو میں ہمزہ کے ساتھ لکھے جائیں گے ۔

۱۱۔ عربی کی طرح فارسی کے بھی بہت سے الفاظ خصوصاً حاصل بمصدر اس قسم کے ہیں ۔ جن میں اصلاً "ی" ہے لیکن اردو میں دوسرے حروفِ علت الف یا و کے بعد آنے کے سبب ہمزہ کی سی آواز دیتی ہے ۔ اس لئے اردو میں اس قسم کے الفاظ کو ی کے بجائے ہمزہ سے لکھنا چاہئے ۔ جیسے پیمائش ۔ نمائش ۔ آرائش ۔ زیبائش اور ستائش وغیرہ

۱۲۔ الف کے استعمال کے سلسلے میں کہا جا چکا ہے کہ عربی کے جن الفاظ کے آخر میں ہمزہ بطور حرف اصلی آتا ہے وہ اردو املا میں ہمزہ کے بغیر لکھے جائیں گے مثلاً ابتداء کا املا اردو میں "املا" ہوگا لیکن اگر اس قسم کے لفظوں پر تنوین آئے گی تو ہمزہ برقرار رہے گا ۔ یعنی ابتدا کو ابتداءً لکھا جائے گا ۔

۱۳۔ عربی و فارسی کے ایسے الفاظ جن کے آخر میں ہائے مختفی یا ہائے غیر ملفوظی آتی ہے ۔ جب فارسی ترکیب میں مضاف اور موصوف ہوں گے تو اظہار اضافت کے لئے ہ کے نیچے زیر کے بجائے اوپر ہمزہ لگایا جائے گا ۔ جیسے نالۂ دل ۔ عمدۂ منتخبہ ۔ تذکرۂ شعرا ۔ بندۂ خدا ۔ دیدۂ خونبار ۔ بندۂ ناچیز ۔ دیدۂ نم ۔ حوصلۂ دل ۔ نامۂ شوق وغیرہ ۔

۱۴۔ عربی و فارسی کے وہ الفاظ جن کے آخر میں الف ۔ و ۔ یا ہمزہ میں سے کوئی حرف آئے گا تو فارسی ترکیب میں اگر مضاف یا موصوف ہونگے تو ان کے آخر کے یہ حروف یائے تحتانی یعنی بڑی "ے" سے بدل جائیں گے ۔ لیکن "ے" پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا جیسے دریا سے دریائے عشق

سودا سے سودائے خام ۔ ابتدا سے ابتدائے شوق ۔ انتہا سے انتہائے کرم ۔ بلا سے بلائے جاں ۔ دوا سے دوائے درد ۔ سوء سے سوئے ظن اور سوئے خیال ۔ کو سے کوئے یار ۔ بو سے بوئے گل ۔ آرزو سے آرزوئے دل وغیرہ ۔ غالب نے لکھا ہے کہ فارسی ترکیبوں کی یائے تحتانی پر ہمزہ لکھنا عقل کو گالی دینا ہے ۔

اعراب (VOWELS)

زبر ـَ حروفِ صحیحہ (CONSONANTS) ساکن سے قبل زبر نہیں لکھا جائے گا مثلاً اب ۔ تب ۔ جب ۔ در ۔ دس ۔ بس ۔ ہل وغیرہ زبر کے بغیر لکھے جائیں گے ۔

زیر ـِ صرف حروف صحیحہ ساکن سے قبل لکھا جائے گا ۔ جیسے اِس ۔ اِملا ۔ بِلّی ۔ تِتلی ۔ فِکر ذِکر ۔ وِتر ۔ دِل ۔ مِلنا وغیرہ میں ۔

پیش ـُ زیر کی طرح یہ بھی صرف حروف صحیحہ سے قبل لکھا جائے گا ۔ جیسے اُس ۔ تُجھ ۔ کُچھ ۔ گُل ۔ گُلاب ۔ فُغاں ۔ مُجھ ۔ مُسلم ۔ مُقدم ۔ وغیرہ ۔

اَو ـــ واؤ مجہول کا زبر لکھا جائے گا جیسے جَور ۔ غَور ۔ اَور ۔ جَو ۔ نَو ۔ تَو ۔ پَون ۔ کَون پَودا ۔ سَودا اور یَوم وغیرہ میں ۔

اُو ـــ واؤ مجہول سے قبل کا پیش نہیں لکھا جائے گا ۔ جیسے مور ۔ شور ۔ کور ۔ ڈھول ۔ کھول توڑا ۔ موڑا ۔ پودا وغیرہ میں ۔

اَے ـــ یائے مجہول سے قبل اگر زبر ہے تو لکھا جائے گا ۔ جیسے ہَے ۔ شَے ۔ مَے ۔ طَے ۔ چھَے ۔ بَیل ۔ مَیل ۔ پَھیلا ۔ چَھیلا ۔ اس قسم کے الفاظ میں جب ی لفظ کے بیچ میں ماقبل سے مل کر آتی ہے تو ی پر الٹا جزم ۸ بنا دیتے ہیں ۔

اُو ـــ واؤ معروف کے قبل اگر پیش ہو تو لکھا جائے گا اور واؤ پر الٹا کا ما لگایا جائے گا ۔ جیسے نُور ، طُور ، گُوگو ، سُوٹ ، گُوٹنا ، رُوس ۔ لُوٹ ، چُوسنا ۔ مُور ، مُوش ۔ مُونگ ، دُھوپ ، رُوپ وغیرہ میں ۔

اِے ـــ یائے مجہول سے قبل کا زیر بھی لکھا جائے گا جیسے رِیل ۔ مِیل ۔ بِیل ۔ جِھیلنا ۔ کِھیلنا ڈِھکیلنا ۔ پِیلنا وغیرہ میں ۔

اِی — یائے مجہول سے قبل کا زیر نہیں لکھا جائے گا جیسے ابھی۔ سبھی۔ بھی کبھی۔ کی۔ موچی۔ دھوتی وغیرہ میں۔

اِی — یائے معروف سے قبل کا زیر لکھا جائے گا اور ی کے نیچے مختصر سا الف کا نشان لگے گا جیسے کِیل۔ مِیل۔ ڈھِیل۔ جِھیل۔ گِیلا۔ نِیلا۔ پِیلا۔ قِیل و قال وغیرہ میں۔

واو معدولہ۔ ایسا واؤ جو لکھا جاتا ہے اور پڑھنے میں نہیں آتا۔ اس کے نیچے چھوٹی سی لکیر کھینچ دیتے ہیں جیسے خوش۔ خود۔ خورشید۔ خورد و نوش۔ خواب۔ خواہش وغیرہ۔

یائے مخلوط۔ یائے مخلوط پر الٹا جزم لکھا جائے گا۔ جیسے کیا۔ پیاس۔ پیار۔ کیوں وغیرہ

نون غنہ:

۱۔ نون غنہ لفظ کے آخر میں پورا لکھا جائے گا اور نقطہ کے بغیر آئے گا جیسے۔ یہاں۔ وہاں جہاں۔ ماں۔ ماں۔ آسماں۔ ارماں۔ گلستاں وغیرہ۔

۲۔ لفظ کے درمیان میں نقطہ کے ساتھ لکھا جائے گا اور اس پر اُلٹے جزم کا نشان ۷ بھی آئے گا جیسے رنگ۔ جنگ۔ ڈنگ۔ منگل۔ آنسو۔ بھینس۔ انک (روشنائی) ہینگ وغیرہ۔

۳۔ گاؤں۔ پاؤں۔ اور چھاؤں کا املا بعض نے گانوں۔ پانوں۔ اور چھانوں بھی کیا ہے۔ اور بعض ادیبوں نے خصوصاً غالب اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے گانو۔ پانو۔ اور چھانو لکھنے کا مشورہ دیا ہے وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ان الفاظ کے آخر میں نون غنہ کی جو آواز نکلتی ہے وہ حقیقی نہیں بلکہ واؤ سے پہلے کے نون غنہ کی بازگشت ہے۔ دوسرے یہ کہ اس طرح لکھنے سے ان لفظوں کی جمع گانووں۔ پانووں۔ چھانووں بن جاتی ہے۔ پہلی بات یوں محل نظر ہے کہ ان الفاظ کے آخر میں نون غنہ کی آواز بہر حال نکلتی ہے خواہ اس کی نوعیت کچھ ہی ہو۔ دوسرے یہ کہ ان لفظوں کی جمع بنانے کی ضرورت بہت ہی کم پڑتی ہے۔ جمع کا کام بھی واحد ہی سے لیا جاتا ہے۔ جیسے ان جملوں میں

دس گاؤں سیلاب کی نذر ہو گئے۔

اس کے پاؤں بہت لمبے ہیں۔

تیسرے یہ کہ اس قسم کے الفاظ کی تعداد چند ایک سے زیادہ نہیں ہے اور ان کا املا گاؤں
پاؤں ۔ داؤں ۔ چھاؤں ۔ اتنا عام ہو چکا ہے کہ اب ان میں تبدیلی کرنا الجھن کا باعث
ہوگا ۔ چوتھے یہ کہ بدلے ہوئے اِملا میں اگر نون میں غنہ کا نشان محذوف ہوگیا تو التباس
کا سبب ہوگا یعنی "گانو" (گانوں) کو "گانا (گیت نغمہ) کی جمع ۔ پانو (پانوں) کو
پان کی جمع اور "دانو" کو "دانہ" کی جمع اور چھانو کو چھاننا کا امر بھی پڑھا جائے گا
ایسی صورت میں مناسب یہی ہے کہ ان کا مروج اِملا گاؤں ۔ پاؤں ۔ چھاؤں ۔ داؤں
ہی برقرار رکھا جائے ۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب کے مطابق بھی رواج اسی اِملا
کا ہے ۔ کنواں ۔ دھنواں کی بھی یہی صورت ہے ۔ انھیں بھی مروج اِملا کے مطابق کُواں
دھواں لکھنا چاہیئے ۔

۴ ۔ عربی فارسی کے بعض الفاظ میں جب نون غنہ کے بعد "ب" آتی ہے تو "ن" اور "م" کی
آواز پیدا ہوتی ہے جیسے شنبہ ۔ دوشنبہ ۔ گنبد ۔ منبر ۔ منبع ۔ انبیا ۔ دنبہ ۔ دنبال ۔
جنبش وغیرہ اردو میں ان الفاظ کا املا اسی طرح رہے گا البتہ عربی و فارسی الفاظ کے
علاوہ جن لفظوں میں نون / ب کی بجائے م سے لکھے جائیں گے ۔ جیسے امبیا (کیری)
گڑمبا ۔ تمبو ۔ تمبولی ۔ تمباکو ۔ بمبئی ۔ چمبیلی ۔ کھمبا ۔ لمبا ۔ لمبی ۔ جمبو ۔ شمبھو دیال وغیرہ کو
م کے بجائے نون غنہ سے لکھنا درست نہ ہوگا ۔

۵ ۔ بعض الفاظ مثلاً سوچنا اور سیکڑا کو بعض نون غنہ کے ساتھ سونچنا اور سینکڑا یا سینکڑہ
لکھتے ہیں یہ غلط ہے نون غنہ کے بغیر سوچنا اور سیکڑا ہی لکھنا چاہیئے ۔

تنوین

۱ ۔ تنوین ، عربی الفاظ کے لئے مخصوص ہے ۔ اردو اِملا میں لفظ کے آخر میں الف کا اضافہ
کر کے لگائی جاتی ہے ۔ جیسے فرد ۔ شخص ۔ ضمن ۔ رسم ۔ اوسط ۔ تخمین ۔ احتیاط ۔ ثانی
تفریح سے فرداً فرداً ، شخصاً ۔ ضمناً ۔ رسماً ۔ اوسطاً ۔ تخمیناً ۔ احتیاطاً ۔ ثانیاً ۔ تفریحاً وغیرہ ۔

۲ ۔ بعض کا خیال ہے کہ عربی کے جن الفاظ کے آخر میں گول ۃ آتی ہے انھیں الف کا اضافہ کیے
بغیر تنوین لگانی چاہیئے ۔ چنانچہ بعض حضرات فطرۃً ۔ قدرۃً ۔ حقیقۃً ۔ وغیرہ ہی لکھتے ہیں
عربی اِملا کے سلسلے میں یہ درست سہی لیکن اردو میں یوں مناسب نہیں کہ عربی کی گول ۃ

اردو میں بہت ہی کم لکھی جاتی ہے ۔فطرۃً ۔ قدرۃً ۔حقیقۃً کا املا ہمیشہ فطرت ۔ قدرت اور حقیقت کیا جاتا ہے ۔ اس لئے ان الفاظ کے آخر میں بھی الف بڑھا کر تنوین کے ساتھ فطرتاً ۔ قدرتاً ۔ حقیقتاً لکھنا چاہئے ۔ مولوی عبدالحق صاحب کی رائے بھی یہی ہے کہ اُردو املا میں عربی کے ہر لفظ پر الف بڑھا کر تنوین لگانا چاہئے :

۳ ۔ اُردو میں دو زیر یا دو پیش کی تنوین مستعمل نہیں ہیں ۔ ہاں عربی کے جو فقرے اُردو میں مستعمل ہیں ان میں کبھی کبھی نظر آجاتی ہے جیسے نسلاً بعد نسلٍ ۔ لیکن زیر اور پیش کی تنوین میں لفظ کے آخر میں الف کے اضافے کی ضرورت نہیں ہوتی ۔

۴ ۔ غیر عربی الفاظ پر تنوین نہیں آتی ۔ لیکن اردو میں ایک دو لفظ تنوین کے ساتھ مستعمل ہو گئے ہیں جیسے اندازاً ۔ اور نموناً انھیں غلط عام فصیح کے تحت درست کہا جائے گا ۔ لیکن اس قیاس پر دوسرے ہندی یا فارسی لفظوں پر تنوین کا استعمال غلط ہوگا ۔

۵ ۔ ہمارے یہاں بعض خواتین کے نام رحیم ۔ کریم ۔ مجید ۔ شریف ۔ حکیم ۔ لئیق ۔ رفیق ۔ وغیرہ کی تانیث کے طور پر رحیمن ۔ کریمن ۔ شریفن ۔ حکیمن ۔ لئیقن ۔ رفیقن وغیرہ رکھے جاتے ہیں ان ناموں کو اسی طرح لکھنا چاہئے انھیں تنوین کے ساتھ رحیمٌ یا رحیماً کریمٌ یا کریماً وغیرہ لکھنا غلط محض ہوگا ۔

۶ ۔ جن عربی الفاظ کے آخر کا ہمزہ اردو میں گرا دیا جاتا ہے ۔ اگر ان پر تنوین آئے گی تو ہمزہ کو برقرار رکھ کر ہمزہ ہی پر تنوین لگائیں گے ۔ مثلاً عربی کے لفظ ابتداء اردو املا میں بغیر ہمزہ " ابتدا " ہے اسے ہمزہ بڑھا کر تنوین کے ساتھ ابتداءً لکھا جائے گا ۔

تشدید

۱ ۔ تشدید ، ایسے حرف پر آئے گی جو لکھنے میں ایک بار اور تلفظ میں دوبارہ آتا ہو جیسے شدّاد ۔ صیّاد ۔ الّو ۔ لُچّہ ۔ پکّا ۔ ڈبّا وغیرہ میں د ۔ ی ۔ ل ۔ چ ۔ ک اور ب ۔

۲ ۔ عربی کے بعض الفاظ ، بظاہر دو حرفی نظر آتے ہیں مثلاً غم ۔ رد ۔ سد ۔ حد ۔ فن وغیرہ لیکن اصلاً یہ تین حرفی ہیں اور ان کا دوسرا حرف مشدد ہے چنانچہ یہ فارسی ترکیب کے ساتھ بطور مضاف یا موصوف استعمال ہوتے ہیں تو ان کی تشدید نمایاں ہو جاتی ہے جیسے فنِّ قدیم ۔

فنِ شعر۔ ردِّ بلا۔ مدِّ باب۔ مدِّ نظر۔ عمِّ محترم۔ جدِّ امجد وغیرہ۔ ان میں بھی تشدید لکھنی چاہئے۔ ہاں "غم" کا لفظ اس سے مستثنیٰ ہے اُردو میں بغیر تشدید ہی لکھا اور بولا جاتا ہے خواہ فارسی ترکیب کے ساتھ آئے یا الگ جیسے غمِ دوراں۔ غمِ حیات۔ نشاطِ غم۔ ثباتِ غم وغیرہ۔

رموزِ اوقاف کا محلِ استعمال

ختمہ۔ (FULL STOP) کا نشان ان جگہوں پر استعمال ہوگا۔

(الف) جملے کے خاتمے پر جیسے

ہمارے گھر کے سامنے ایک پارک ہے۔ یہ پارک بہت خوبصورت ہے۔ ایک مالی اس کی دیکھ بھال کے لئے مقرّر ہے۔

(ب) مخففات کے بعد جیسے

(۱) ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی

(۲) بی اے۔ بی ایڈ

(۳) ایم۔ بی۔ بی۔ ایس

(۴) ج۔ س۔ ی۔ ف (جواب سے یاد فرمائیے)۔

(۵) ن۔ م۔ راشد۔

(۶) ش۔ ضحیٰ

سکتہ — (COMMA) حسبِ ذیل مقامات پر استعمال ہوگا۔

(الف) جب کسی جملے یا فقرے میں اعداد اور اسما وصفات کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ آخری دو عدد یا اسموں کے درمیان "اور" "یا" کا لفظ لانا پڑے تو اس سے قبل کے ہر عدد اور اسم کے بعد، بطورِ عطف سکتہ کا نشان لگایا جائے گا جیسے

۱۔ حامد، محمود، راشد، ماجد اور امجد پانچوں بہت ذہین ہیں۔

۲۔ بازار جاکر ایک قلم، دو سرخ پنسلیں، ایک ربر، دو پیڈ، یا کاپیاں لائیے۔

۳۔ مولانا حسرت موہانی نے شاعری کو عارفانہ، نافعانہ، فاسقانہ، عاشقانہ اور متصوفانہ وغیرہ کے خانوں میں تقسیم کیا ہے۔

۴۔ مولانا محمد علی جوہر سچے مسلمان، مخلص سیاستدان، شعلہ بیان مقرر، نامور صحافی اور ایک ممتاز

شاعر تھے۔

۵۔ اس سلسلے میں ادبی، تاریخی، معاشی، نفسیاتی، سیاسی اور ثقافتی پہلو بھی زیرِ بحث آئیں گے۔

۶۔ ۲، ۳، ۵، ۶، ۷ اور ۹ نمبر کے کمرے خالی ہیں۔

(ب) ایک ہی قسم کے مرکبات اور لمبے جملہ کے اجزا کے بعد جیسے

۱۔ میرا، آپ کا، شاہد کا، رشید کا اور وحید کا نام کامیاب امیدواروں کی فہرست میں شامل ہے۔

۲۔ آپ کا قلم، میری گھڑی، اسلم کا ریڈیو، اور قدیر کا ٹی وی، چاروں جاپانی ہیں۔

۳۔ حامد کب آیا، کب گیا، کیا کہا، کیا سنا اور کس کس سے ملاقات کی مجھے کچھ نہیں معلوم۔

(ج) ندا اور مخاطبے کے لیے جیسے

۱۔ اے ماؤ، بہنو، بیٹیو۔

۲۔ محترم صدر، اساتذۂ کرام، دوستو اور عزیز طالب علمو،

۳۔ انیس، دم کا بھروسہ نہیں زمانے میں۔

۴۔ غافل، ان مہ طلعتوں کے واسطے — چاہنے والا بھی اچھا چاہیئے۔

(د) ایک ہی طرح کے جملوں کے بعد بطور حرف عطف جیسے

۱۔ میں نے اس کو بلایا، اونچ نیچ سمجھایا، برا بھلا کہا، خوف دیا یا لیکن کسی بات کا کچھ اثر نہ ہوا۔

۲۔ آؤ، بیٹھو، کچھ ہماری سنو، کچھ اپنی سناؤ۔

(س) ایسے جملوں کے بعد جن میں تکرار سے بچنے کے لئے فعل کو محذوف کر دیا گیا ہو جیسے۔

۱۔ امتحان میں حامد نے پہلی پوزیشن، محمود نے دوسری، راشد نے تیسری اور ماجد نے، چوتھی پوزیشن حاصل کی۔

۲۔ حامد کو تمغا، محمود کو گھڑی، راشد کو قلم اور ماجد کو ایک کتاب انعام میں ملی۔

(ک) جب کسی اسم کی تعریف یا وضاحت میں کوئی بات کہی جائے تو اسم اور وضاحتی فقرے کے بعد سکتہ آئے گا جیسے:

۱۔ اسلم، محمود کا بڑا بھائی، امریکہ سے واپس آگیا ہے۔

۲۔ میری کتاب، غالب شاعرِ امروز و فردا، ۱۹۶۹ء میں چھپی تھی۔

۳۔ "داستانِ تاریخ اردو، مولانا حامد حسن قادری کی مشہور تصنیف ہے۔

(ل) اشعار کے بعض لفظ یا ٹکڑے کے بعد اس لئے سکتے کا نشان لگاتے ہیں کہ تعقید پیدا نہ ہونے پائے اس کی مثالیں یہ ہیں:۔

۱۔ جھڑکی سہی، ادا سہی، چینِ جبیں سہی — سب کچھ سہی، پر اک نہیں کی نہیں سہی

۲۔ کہتے ہو نہ دیں گے ہم، دل اگر پڑا پایا — دل کہاں کہ گم کیجئے، ہم نے مدعا پایا

۳۔ نیند اس کی ہے، دماغ اس کا ہے، راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

۴۔ واں وہ غرور و عز و ناز، یاں یہ حجاب و پاس وضع
راہ میں ہم ملیں کہاں، بزم میں وہ بلائے کیوں

۵۔ بھاگے تھے ہم بہت، سو اسی کی ہے یہ سزا
ہو کر اسیر، دابتے ہیں خستہ پن کے پاؤں

۶۔ وفا کیسی، کہاں کا عشق، جب سر پھوڑنا ٹھہرا
تو پھر اے سنگدل، تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو

۷۔ یار سے، آب رواں، عکس ہجومِ گل سے — لوٹے ہے سبزے پہ از بس کہ ہوا ہے بیکل

(م) کسی فعل کے بعد "کر" یا "کے" محذوف ہونے کی صورت میں جیسے

۱۔ وہ کتاب بغل میں دبا، نہ جانے کدھر نکل گیا۔

۲۔ وہ بھی عجیب آدمی ہے، صبح اٹھ، یہ جا، وہ جا، ذرا دیر میں غائب۔

(ن) شرط و جزا کے درمیان بشرطیکہ حرف شرط محذوف ہو جیسے

۱۔ اگر میرا منہ کھلوایا، میں کھری کھری سنا دوں گی۔

۲۔ جو تمھاری طرح، تم سے، کوئی جھوٹے وعدے کرتا، تمھیں منصفی سے کہدو، تمھیں اعتبار ہوتا

۳۔ جو تمھاری باتوں میں آیا، وہ گیا کام سے۔

(و) جملہ موصولہ میں صلہ و موصول کے اجزا کے درمیان جیسے

۱۔ یہ بات، جس نے بھی آپ سے کہی غلط کہی۔

۲۔ چپ بھی رہو، جو بھی سنے گا، کیا کہے گا۔

۳۔ جس جس سے ملاقات ہوئی، سب نے آپ کا ذکر کیا۔

(۵) حرف استثنا، حرف استدراک ۔ حرف توجیہ سے پہلے جیسے

۱۔ وہ ذہین و محنتی سہی، لیکن قابلِ اعتماد نہیں ہے

۲۔ جلسے میں سبھی پہنچ گئے، مگر آپ کو نہ پہنچنا تھا نہ پہنچے

۳۔ پُرہوں میں شکوے سے یوں، راگ جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھیے کیا ہوتا ہے

۴۔ اسے پاکستان ہی میں اعلیٰ درجے کی ملازمت مل گئی، پھر باہر کیوں جاتا

۵۔ خوب محنت کرو، تاکہ امتحان میں اچھے نمبر حاصل کر سکو

۶۔ وہ ہر جگہ کامیاب رہے گا، اس لیے کہ محنتی بھی ہے ایماندار بھی

۷۔ حالِ دل لکھوں کب تک، جاؤں ان کو دکھلا دوں
انگلیاں فگار اپنی، خامہ خوں چکاں اپنا

وقفہ (SEMI COLAN) مولوی عبدالحق اور استاذی ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں نے وقفہ کے استعمال کی حسب ذیل صورتیں بتائی ہیں۔

(الف) جملوں کے لمبے لمبے اجزا کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرنے کے لئے سکتوں کے ساتھ ساتھ وقفوں کا استعمال ہونا ضروری ہے کہ خلط مبحث نہ ہو جائے جیسے "حق یہ ہے کہ اس زمانے میں، جبکہ قومی تپش نما کا پارا ہر گھڑی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے؛ جبکہ باوجود تعلیمی کاموں کی کثرت کے قومی تعلیم کا کوئی صحیح خاکہ ہمارے سامنے نہیں ہے؛ جب کہ سیاسی تار و پود سارے ملک میں پھیلا ہوا ہے مگر کوئی طریقہ قومی فلاح کا ایسا نہیں ہے، جس پر تمام جماعتیں متفق ہو سکیں؛ جب کہ مصلحت اور اصول، چال اور صداقت، تلون اور استقامت میں اکثر مغالطہ ہو جاتا ہے؛ جب کہ باوجود سادگی کے، ادعائے عیش پرستی کے بہت سے چور دروازے کھلے ہوتے ہیں، جب کہ باوجود ایثار اور قربانی کے دعووں کے حقیقی ایثار نفس اور ضبط نفس بہت کم نظر آتا ہے؛ نواب وقار الملک کی سیرت ایک بڑی نعمت ہے۔

(ب) جہاں جملوں کے مختلف اجزا پر زیادہ تاکید دینا مدنظر ہوتا ہے وہاں بھی وقفہ کا نشان

استعمال ہوتا ہے مثلاً

۱۔ جو کرے گا، سو پائے گا؛ جو بوئے گا، سو کاٹے گا

۲۔ آنا، تو خفا آنا؛ جانا تو رُلا جانا

۳۔ تم روئے اور ہمارا دل بے چین ہوا؛ تمہاری انگلی دکھی تو ہمارے دل پر چوٹ لگی؛ مصیبتیں ہم نے بھریں؛ تکلیفیں ہم نے اٹھائیں؛ راتوں کو اٹھ اٹھ کر ہم ٹہلے؛ کندھے لگایا، چمکارا، لوریاں سنائیں؛ غرض کہ جان، مال، آرام سب کچھ تمہارے لئے تج دیا؛ کیا اس کا یہی صلہ ہے؟

(ج) جن جملوں کے بڑے بڑے اجزا کے درمیان، ورنہ، اس لئے، لہٰذا، اگرچہ، چہ جائیکہ، در آں حالیکہ، لیکن اور اس قسم کے ربط دینے والے دوسرے الفاظ آئیں، وہاں ذہن کو سمجھنے کا موقع دینے کے لیے ان لفظوں سے پہلے وقفے کی علامت لگاتے ہیں۔ واضح رہے کہ جب مذکورہ بالا الفاظ چھوٹے چھوٹے جملوں کو ملاتے ہوں تو، یہ علامت نہ لگائی جائے گی بلکہ سکتہ ہی کافی ہوگا مثالیں یہ ہیں۔

۱۔ اگرچہ آج کل نقادانِ فن اس بات کو سمجھتے ہیں کہ کسی خاص غرض کو پیش نظر رکھ، یا کسی خیال یا رائے کی اشاعت کے لئے کوئی ڈراما لکھا جائے؛ لیکن پاکستان جیسے ملک میں جہاں زندگی کا ہر پہلو قابلِ اصلاح ہے، اور معاشرے کے ہر شعبے میں تذبذب اور انتشار بپا ہے، فن کی بعض نازک اور خیالی خوبیوں کو قربان کر سکتے ہیں؛ بشرطیکہ وہ سلیقے سے لکھا جائے۔

۲۔ چونکہ نکاح سے قبل ہی نسبت توڑ دی گئی، اور لڑکی چچا سے علیحدہ کر لی گئی؛ اس لئے ایسی شادی سے جو مذموم اور دردناک نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کا موقع ہی نہیں آیا۔

(د) اوپر کی مثالیں مولوی عبدالحق کی قواعد اردو سے ماخوذ ہیں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نے جامع القواعد میں بتایا ہے کہ کسی عبارت یا پیراگراف کے آخر میں لفظ "مثلاً" اور "جیسے" کے بعد بھی وقفے کا نشان آئے گا۔

رابطہ :(COLAN)

مولوی عبدالحق کی تصریحات کے مطابق رابطہ کے نشان کا استعمال مندرجہ ذیل مقامات پر ہوگا۔

(الف)۔ جب جملے کے کسی سابقہ خیال یا بات کی تشریح یا تصدیق کی جائے جیسے

ا۔ سفر ہو یا حضر، دن ہو یا رات، کام ہو یا تفریح، ہمیشہ اور ہر جگہ اپنی صحت کا خیال رکھو : اگر کوئی نعمت ہے تو یہی ہے۔

۲۔ کیا خوب سودا نقد ہے : اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے ۔ (نظیر اکبرآبادی)

۳۔ یہ خاموشی کہاں تک ؟ لذتِ فریاد پیدا کر
زمین پر تو ہو اور تیری صدا ہو آسمانوں پر : ((اقبال)

۴۔ کاو کاوِ سخت جانیہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا : لانا ہے جوئے شیر کا (غالب)

۵۔ انسان کو بعض کاموں کی قدرت ہے بعض کی نہیں : وہ چل سکتا ہے دوڑ سکتا ہے ، مگر اڑ نہیں سکتا۔

(ب) جب کسی مختصر مقولے یا کہاوت وغیرہ کو بیان کرنا ہو تو تمہیدی جملے اور اصل جملے کے بیچ میں نیم وقفہ یا رابطہ لاتے ہیں جیسے

ا۔ کسی حکیم کا قول ہے : آپ کاج مہا کاج

۲۔ بقول شاعر : عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے

۳۔ سچ ہے : گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

(ج) ایسے دو جملوں کے بیچ میں بھی رابطہ لاتے ہیں جو آپس میں متقابل یا ایک دوسرے کی ضد ہوں اور دونوں مل کر ایک پورے خیال کو ظاہر کریں جیسے

من چلتا ہے : ٹٹو نہیں چلتا

(د) جب دو جملوں میں سے ایک، دوسرے کی توجیہ کرے مگر کوئی حرفِ توجیہ ان کے بیچ میں نہ ہو تو ان کے درمیان میں رابطہ لاتے ہیں جیسے

"بچوں کو تنہائی میں نصیحت کرنا چاہیے": سب کے سامنے نصیحت کرنے کا اثر الٹا ہوتا ہے

تفصیلیہ :- (COLAN DASH)

مندرجہ ذیل مقامات پر استعمال ہوتا ہے

(الف) کسی طویل اقتباس یا فہرست کے اظہار کے لیے جیسے

ا۔ اسم معرفہ کی قسمیں ہیں :- اسم علم ۔ اسم لقب ۔ اسم خطاب ۔ اسم کنیت ۔ اسم عرف

۲۔ اردو میں خاص عربی کے حروف یہ ہیں : ث، ح، ذ، ص، ض، ط، ظ، ع، ق

(ب) کسی اصول یا قاعدے کو پیش کرتے وقت جبکہ ایسے موقع پر "مثلاً" یا "جیسے" کا لفظ محذوف یا مقدر ہو مثلاً

ا۔ اسم وہ کلمہ ہے جو نام ہو، کسی شخص، جگہ، یا چیز کا :- حامد، محمود، کتاب، قلم، باغ، کراچی۔

(ج) ایسے جملے کے بعد جس کے آگے کسی واقعہ کی تفصیل بیان کی جائے جیسے

ا۔ پانی کے فوائد کیا کیا بیان کئے جائیں :- اس سے کھانا پکاتے ہیں، غسل کرتے ہیں، کپڑے دھوتے ہیں، کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں، جانوروں کو پلاتے ہیں۔ ہم خود پیتے ہیں، پانی کے بغیر نہ کوئی پودا اُگ سکتا ہے، نہ کوئی جاندار زندہ رہ سکتا ہے

۲۔ مولوی عبدالحق کی زندگی زندگی کا حال سنو :- صبح سویرے اٹھے، ضروریات سے فارغ ہوئے، نہا دھو کر ناشتا کیا، ڈاک دیکھی اگر موسم خوشگوار ہے تو چھڑی لے کر ٹہلنے چلے گئے، ورنہ گھر ہی میں رہے اور لکھنے پڑھنے بیٹھ گئے

(د) کسی عبارت، واقعہ یا مضمون کی تلخیص کرتے وقت جبکہ جملے کے آخر میں "غرضکہ" یا "مختصر یہ ہے" یا "حاصل کلام یہ ہے" کے الفاظ آئے ہوں جیسے

ا۔ صبح کے منظر کی کیفیت مختصراً یہ تھی :- ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، پھول اور پودے جھوم رہے تھے، گویا ایک دوسرے کا منہ چوم رہے تھے، چڑیاں چہک رہی تھیں، کلیاں مہک رہی تھیں، سورج گلابی رنگ کے بستر پہ انگڑائیاں لے رہا تھا۔ ستارے ڈر کے مارے کہیں چھپ گئے تھے۔ چشموں کی روانی کیا تھی ایک طرح کی نغمہ خوانی تھی، ایسی نغمہ خوانی جو

روح کو سکون بخشتی ہے

۲۔ "اقبال کی شخصیت اور اس کا پیغام" کے عنوان سے ڈاکٹر قاضی عبدالحمید کا طویل مضمون آپ کی نظر سے بھی گذرا ہوگا۔ حاصل کلام صرف یہ ہے :۔ اقبال ایک مردِ قلندر، خودی کا پاسبان، عشق کا متوالا، آزادیٔ وطن کا شاعر، ناموس مشرق کا محافظ، غربا کا دوست، انسانیت کا علم بردار اور توحید کا نغمہ خواں تھا۔

خط (DASH) "خط" اور ختمہ کے نشانات ایک جیسے ہیں۔ صرف یہ کہ ختمہ کا نشان خط کے نشان کے مقابلے میں قدرے مختصر ہوتا ہے نہ خط کی اصطلاح ابھی تک عام ہو سکی اور نہ ختمہ کی۔ اردو میں بالعموم ختمہ کے بجائے انگریزی لفظ "ڈیش" بولا جاتا ہے لیکن ڈیش کو ختمہ کی جگہ بولنا مناسب نہیں اردو میں ختمہ کو انگریزی لفظ "فل اسٹاپ" کی جگہ اور خط کو ڈیش کی جگہ بولنا اور لکھنا چاہیئے۔ ختمہ کے استعمال کی صورتیں اور بیان کی جا چکی ہیں۔ خط کا استعمال اردو میں نہیں ہے۔ بہرحال اس کے استعمال کے موقعے یہ ہیں

۱۔ کہتے کہتے جب بات کے رخ کو اچانک بدل دیا جائے جیسے

میں سوچتا ہوں کہ اب کے اس سے عید ملنے جاؤں۔ لیکن میں کیوں جاؤں، وہ مجھ سے عمر میں چھوٹا ہے، رشتے میں چھوٹا ہے، اسے چاہیئے کہ وہ خود مجھ سے ملنے آئے۔

۲۔ کسی بات کی مزید وضاحت کے لئے جیسے

راستے میں اس کا سارا سامان لٹ گیا۔ ریڈیو، گھڑی، زیور، نقدی، کپڑے، بستر، کچھ بھی تو باقی نہ رہا۔

سوالیہ ؟ (INTEROGATION) سوالیہ نشان، سوالیہ جملوں کے بعد آئے گا جیسے

۱۔ نیرنگ خیال کا مصنف کون ہے ؟

۲۔ آپ صبح کس وقت اٹھتے ہیں ؟

۳۔ لاہور میں کس کس سے ملے اور کیا کیا دیکھا ؟

۴۔ کیا حامد کے ساتھ محمود بھی جا رہا ہے ؟

۵۔ آخر دونوں جا کیوں رہے ہیں ؟

فجائیہ و ندائیہ ! (EXCLAMATION)

ایسے کلمات و فقرات کے بعد جو غصّہ، خوف، نفرت، افسوس، حیرت، تحسین اور خوشی وغیرہ کے اظہار کے لیئے استعمال ہوتے ہیں منادی کے بعد بھی آتا ہے بشرطیکہ اس سے قبل حرف ندا بھی آیا ہو مثالیں اس کی یہ ہیں ۔

ا۔ واحسرتا! کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
مجھ کو حریصِ لذتِ آزار دیکھ کر : غالب

۲۔ ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار : اقبال

۳۔ پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس! تم کو میر سے صحبت نہیں رہی : میر

۴۔ ہوا ہے، ابر ہے، ساقی ہے، مے ہے
پر اک تو ہی نہیں افسوس! ہے ہے! : انیس

۵۔ اب جفا سے بھی ہیں محروم ہم اللہ اللہ!
اس قدر دشمنِ اربابِ وفا ہو جانا! : غالب

۶۔ اب حال اپنا ان کے ہے دلخواہ
کیا پوچھتے ہو الحمد اللہ! : میر

۷۔ طور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا
سب سے بیگانہ ہے اے دوست! آشنا سا تیرا : رند

۸۔ یارب! زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیئے
لوحِ جہاں پہ حرف مکرر نہیں ہوں میں : غالب

۹۔ وہ میوہ ہائے تازہ شیریں کہ واہ واہ
وہ بادہ ہائے ناب گوارا کہ ہائے ہائے! : غالب

۱۰۔ اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل!
زنہار! اگر تمہیں ہوس نائے ونوش ہے : غالبؔ

۱۱۔ یوں پکارے ہیں مجھے کوچۂ جاناں والے
ادھر آبے، ابے او کوچۂ جاناں والے! : میرؔ

۱۲۔ حیف! کہتے ہیں ہوا گلزار تاراج خزاں
آشنا اپنا بھی واں، اک سبزہ بیگانہ تھا : دردؔ

۱۳۔ ہوگیا مہمان سرائے کثرت موہوم آہ!
وہ دل خالی جو تیرا خاص جلوت خانہ تھا : دردؔ

۱۴۔ وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا : ظفرؔ

۱۵۔ کیا غارت ہزاروں کو ظفر دنیا کی الفت نے
بڑی آفت ہے یہ دنیا معاذاللہ معاذاللہ! : ظفرؔ

۱۶۔ ہے موجِ بحرِ عشق وہ طوفان کہ الحفیظ!
بیچارہ مشتِ خاک تھا انسان بن گیا : ظفرؔ

۱۷۔ واہ رے، شورِ محبت! خوب ہی چھڑکا نمک
استخوان میرے ہما کس کس مزے سے کھائے ہے : ذوقؔ

۱۸۔ شاہد رہیو تو، او شب ہجر!
جھپکی نہیں آنکھ مصحفی کی۔ : مصحفیؔ

۱۹۔ اللہ رے تیری بے نیازی!
یعقوب کو مدتوں رلایا۔ : مومنؔ

۲۰۔ ہے ہے! میرا پھول لے گیا کون؟
ہے ہے! مجھے داغ دے گیا کون : نسیمؔ

۲۱۔ تیرے دل میں گر نہ تھا آشوب غم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے! : غالبؔ

۲۲۔ غرض جس نے اس کو سنا یوں کہا
حسن آفرین! آفریں مرحبا! : میر حسنؔ

۲۳۔ پڑھتے ہیں، دیکھ کے، اس بت کو فرشتے بھی درود
مرحبا صلی علیٰ! صلی علیٰ! صلی علیٰ کیا کہنا ! : امیر مینائیؔ

۲۴۔ کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ!
یک قلم، خارجِ از آدابِ وقار و تمکین : غالبؔ

۲۵۔ اللہ رے ذوقِ دشت نوردی! کہ بعدِ مرگ
ہلتے ہیں خود بخود میرے اندر کفن کے پاؤں : غالبؔ

۲۶۔ واہ واہ! کیا معتدل ہے باغِ عالم کی ہوا
مثلِ نبضِ صاحب صحت ہے ہر موجِ صبا : ذوقؔ

۲۷۔ مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ او لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کیے : غالبؔ

قوسین ( ) (BRACKET)

مندرجہ ذیل جگہوں میں، قوسین کا نشان استعمال ہوگا

الف۔ کسی لفظ کے معنی، تذکیر و تانیث، واحد جمع یا تلفظ کی وضاحت کے لئے جیسے

۱۔ "خیال" (موسیقی کی ایک اصطلاح) کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر خسرو کی ایجاد ہے۔

۲۔ شعر کے لئے میٹر (وزن) اور ردم (آہنگ) دونوں ضروری ہیں۔

۳۔ معلّم (میم مضموم ماقبل آخر مکسور) عربی مصدر، تعلیم کا اسم فاعل ہے۔

۴۔ جنس (تذکیر و تانیث) کی دو قسمیں ہیں ایک مصنوعی (غیر حقیقی)

اور دوسری حقیقی ۔

۵۔ "آب" (پانی کے معنوں میں) مذکر ہے ۔

(ب)۔ جملۂ معترضہ کے آغاز اور خاتمے پر جیسے

۱۔ ہمارے سیاسی رہنما (آپ ان میں سے ایک دو کو چھوڑ دیجیے) باتیں بنانے کے سوا اور کچھ نہیں کرتے ۔

۲۔ غالب کی شاعری کے متعلق میری رائے (اول تو میری رائے کیا اور رائے کی اہمیت کیا) بہر حال یہ ہے کہ اس کی شاعری بنیادی طور پر جذبے کی نہیں فکر و نظر کی شاعری ہے

واوین (INVERTED COMMAS)

کسی حوالہ، کسی قول، یا کسی اقتباس کے نقل کرنے پر اس کے آغاز و اختتام پر واوین کا نشان استعمال ہوتا ہے جیسے

۱۔ پروفیسر حمید احمد خان نے اپنی تقریر میں کہا

"اوائل سنِ شعور میں غالب کے کلام کے جس پہلو نے مجھے متاثر کیا وہ مادی کائنات کی وسعتوں پر غالب کی ذہنی گرفت تھی"

۲۔ اس نے کہا "میں آپ کی کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا" یہ ایک طرح کی گالی نہیں تو اور کیا ہے ؟

۳۔ بقول مولوی عبدالحق "اردو، ہندی نژاد ہے اور قدیم ہندی یا پراکرت کی آخری اور سب سے شستہ صورت ہے"

بقول ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان حوالہ اندر حوالہ یا اقتباس اندر اقتباس کی صورت ہو تو اندرونی اقتباس کے لئے اکہری واوین استعمال کرنی چاہیئے مثلاً

پنڈت کیفی لکھتے ہیں "ڈاکٹر عبدالستار صدیقی فرماتے ہیں 'مرزا غالب ذرا کو حرف ز سے لکھتے تھے، ذرا کیوں ز سے لکھتے تھے اور اب کچھ لوگ ایسا

کیوں کرتے ہیں"

۸ زنجیرہ (HYPHAN)

اردو میں زنجیرہ، انگریزی ہائفن کا بدل ہے، ہائفن انگریزی مرکبات میں ان دو لفظوں کے درمیان استعمال ہوتا ہے جن کے امتزاج سے مرکب لفظ بنتا ہے جیسے HORSE-RACE , POST-MAN ,

PICK-POCKET, LAMP-OIL, ANTI-PUBLIC

SHOE-MAKER

اردو میں اس طرح کے مرکب امتزاجی ابھی تک بالعموم بغیر کسی نشان کے لکھے جاتے ہیں جیسے 'جیب گھڑی' 'چاندگرہن' 'دودھ شریک' 'گھرداماد' 'سفرخرچ' 'ہندآریائی' 'ہندومسلم کلچر' 'ہندالمانی' وغیرہ کوئی شخص ان مرکبات کے دو لفظوں کے درمیان زنجیرہ کا نشان نہیں لگاتا لیکن جیسے جیسے علمی و سائنسی اصطلاحات اردو میں جگہ پائیں گی اس طرح کے مرکبات میں اضافہ ہوتا رہے گا مناسب یہ ہے کہ ان مرکبات میں زنجیرہ کے نشان کو جگہ دی جائے اور 'ہندآریائی' کو 'ہندی ۸ آریائی' 'روسی جاپانی صلح نامہ' کو 'روسی ۸ جاپانی صلح نامہ' لکھا جائے تاکہ اس کے معنی سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو لیکن چونکہ اس طرح کے مرکبات کے استعمال کا تعلق علمی و ادبی زبان کی اعلیٰ سطح سے ہے اس لئے شاید روزمرہ کی زبان میں زنجیرہ کا نشان ابھی دیکھنے میں نہیں آتا۔

بعض دوسری علامتیں

۱۔ "ایضاً" جیسا کہ داغ دہلوی کے اس شعر سے ظاہر ہے

جو تم کو ہم سے نفرت ہے تو ہم کو تم سے ایضاً ہے

جو تم نظریں بدلتے ہو تو ہم بھی دل بدلتے ہیں

"ایضاً" کے لغوی معنی ہیں "بھی"، "نیز"، "یا"، "وہی" لیکن اردو میں ان

معنوں کے علاوہ "دہرانا" اور "منظور کرنا" کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ یہ حرفوں کے بجائے اپنے نشان سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ انگریزی میں ایضاً کی جگہ (DITTO) کا لفظ بولتے ہیں اور انگریزی میں اس کا نشان "DO" ہے۔

۲۔ الخ :۔ الی الآخرہ (اس کے آخر تک) کا مخفف ہے پوری عبارت نقل کرنے کے بجائے جب ابتدائی کلمات یا ٹکڑے لکھ کر اس کے آگے الخ بنا دیتے ہیں تو مفہوم یہ ہوتا ہے کہ جس عبارت کا حوالہ دیا گیا ہے اسے آخر تک دیکھا یا سمجھا جائے مثلاً نقش فریادی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ الخ

اس کا مطلب یہ ہے کہ غالب کے اس شعر کو پورا دیکھا جائے

۳۔ ج۔س۔م۔ف 'جواب سے مطلع فرمائیے' کا مخفف ہے۔

انگریزی میں جس جگہ R.S.V.P. لکھا جاتا ہے اردو میں وہاں ج۔س۔م۔ف لکھ دیتے ہیں۔ صاحب کیفیہ نے اس کے لئے "جواب عنایت ہو" کا مخفف 'جع' تجویز کیا تھا لیکن مقبول نہ ہوا۔ ج۔س۔م۔ف کا رواج ہو گیا ہے اور اب یہی لکھنا چاہیئے۔

۴۔ رح ۔ "رحمۃ اللہ علیہ" کا مخفف ہے۔ بزرگانِ دین و ملت کے ناموں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے

۵۔ رض ۔ "رضی اللہ عنہ" یا "رضی اللہ عنہا" کا مخفف ہے۔ صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کے ناموں کے آگے لکھا جاتا ہے

۶۔ "س" علمی و ادبی کتابوں میں "سطر" کے لئے بطور مخفف لکھتے ہیں

۷۔ سنہ تقویمی سال کا نشان ہے

۸۔ سنہ ۶ سن عیسوی مراد ہے

۹۔ سنہ ھ سن ہجری مراد ہے

۱۰۔ سنہ ف سن فصلی مراد ہے

۱۱۔ سنہ ش سن شمسی مراد ہے

۱۲۔ ص — صفحہ کی نمائندگی کرتا ہے

۱۳۔ ص یا صلعم — "صلی اللہ علیہ وسلم" کی علامت ہے

۱۴۔ ۴ یا ✓ — "صحیح" کا نشان ہے

۱۵۔ ع — مصرع کی علامت ہے جب کسی عبارت میں کوئی مصرعہ درج کرنا ہو تو مصرعہ سے پہلے ع لکھ دیتے ہیں۔

۱۶۔ علیہ — "علیہ السلام" کا مخفف ہے۔ عام طور سے پیغمبروں، نبیوں اور اماموں کے نام کے آگے لکھا جاتا ہے

۱۷۔ کرم — کرم اللہ وجہہ کا نشان ہے۔ چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

۱۸۔ کذا — کذالک (معنی ہیں اس طرح) کا مخفف ہے جب نثر یا نظم کے کسی لفظ یا ٹکڑے پر "کذا" لکھا ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ اصل کے عین مطابق ہے یعنی جس طرح اصل نسخے میں موجود ہے بالکل اسی طرح منقول ہے۔

۱۹۔ عہ — نمبر کا نشان ہے۔

۲۰۔ ے — یہ نشان اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کے بعد کوئی شعر نظم یا نظم کا کوئی ٹکڑا درج کیا جائے گا۔

۲۱۔ ۷۸۶ — "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کے بجائے لکھتے ہیں اس لئے کہ ابجد ہوز کے لحاظ سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد ۷۸۶ نکلتے ہیں۔

۲۲۔ ۹۲ — محمدؐ کے اعداد بلحاظ ابجد ہوز ۹۲ نکلتے ہیں اس لئے محمدؐ کے بجائے لکھتے ہیں

۲۳۔ = — مساوی یا برابر ہونے کا نشان ہے

۲۴۔ و ا — ورق الٹے کا نشان ہے انگریزی میں اس کے لیئے (P.T.O)

کا رواج ہے

۲۵۔ ا الله کا مخفف ہے

۲۶۔ مع مزید عبارت کی علامت ہے جو مضمون یا خط کے آخر میں بطور اضافہ لکھی جاتی ہے انگریزی میں اسے پوسٹ اسکرپٹ POST SCRIPT کے مخفف P.S. سے ظاہر کرتے ہیں۔

متفرقات

(۱) موقع کو ہائے مختفی کے ساتھ "موقعہ" لکھنا غلط محض ہے "موقع" لکھنا چاہیئے

(۲) فُلاں کنایہ ہے شخص یا فرد سے اس کی ف میں ہمیشہ پیش لکھنا چاہیئے

(۳) متوفی بمعنی وفات پایا ہوا میں الف لگانا ضروری ہے جو لوگ متوفی لکھتے ہیں غلطی پر ہیں۔

(۴) مسئلہ۔ اس لفظ پر ہمزہ ضرور لکھنا چاہیئے اس لئے کہ اس کا غلط تلفظ عام ہوتا جا رہا ہے۔

(۵) دُوم۔ (دوسرا) میں 'د' اور 'و' دونوں پر پیش ہے اس لئے دوئم یا دویم لکھنا غلط ہے۔

(۶) سُوم۔ میں بھی س مکسور اور واؤ مضموم ہے اس لئے سوئم یا سویم یا سیوم لکھنا غلط ہوگا۔

(۷) پروا۔ کا املا "پرواہ" یکسر غلط ہے ہمیشہ "پروا" لکھنا چاہیئے۔

(۸) غلطی بمعنی خطا اردو ہے اس لئے عربی کی تقلید میں اس کے لام پر زبر لکھنا مناسب نہیں

(۹) عربی کے مصدر مفاعلہ اور اس وزن کے دوسرے مصادر مثلاً مشاعرہ۔ مصافحہ۔ معاملہ۔ مباحثہ۔ معاشقہ۔ معاہدہ۔ مطالعہ۔ محاسبہ۔ مشاہدہ۔ موازنہ وغیرہ کے چوتھے اور پانچویں حرف پر زبر آتا ہے اور عربی میں ان کا تلفظ اسی طرح کیا

جاتا ہے لیکن اردو میں چوتھے حرف کے زبر کو زیر سے بدل لیتے ہیں یا چوتھے حرف کو ساکن کر لیتے ہیں۔ عام و خاص سب کا یہی طرز عمل ہے اس لئے عربی کی تقلید میں اس نوع کے الفاظ کے چوتھے حرف پر زبر لکھنا درست نہ ہوگا۔

(۱۰) عوض کو بعض "عیوض" لکھتے ہیں یہ غلط محض ہے۔

(۱۱) "ازدحام" ہجوم کے معنی میں عربی لفظ ہے اسے ز کے بجائے ڑ سے اژدھام لکھنا صریحاً غلط ہے۔

(۱۲) شکوہ۔ در اصل عربی "شکویٰ" کی فارسی شکل ہے فارسی میں چونکہ "شکوہ" ہی مستعمل ہے اور اردو میں بھی اسی شکل میں آیا ہے اس لئے اسے الف سے شکوا، لکھنا غلط ہوگا۔

(۱۳) "طول عمرہٗ" لکھنا غلط ہے اصل میں طوّلَ عُمرُہٗ ہے

(۱۴) بادی النظر۔ قاضی الحاجات اور خالی الذہن کی ی پر پیش نہیں ہمیشہ زیر لکھنا چاہیئے۔

(۱۵) "عِرق النسا" (عورتوں کی ایک بیماری) عرق بمعنی شریان) ہمیشہ ع کے زیر کے ساتھ لکھا جائے گا۔ اس لئے کہ زبر کے ساتھ اس کے معنی کچھ سے کچھ ہو جائیں گے

(۱۶) "عمر طبیعی" کو اکثر "عمر طبعی" لکھا ہوا دیکھا ہے یہ غلط ہے ع سے پہلے ی ضرور چاہیئے۔

(۱۷) اردو میں بعض مرکبات عربی کے طرز پر بنائے گئے ہیں جیسے "عندالپڑتال" فوق البھڑک۔ بالراست۔ قریب المرگ۔ گنج العرش۔ اول تو ان کے استعمال سے پرہیز کیا جائے اور اگر لکھنا ضروری ہو تو اسی طرح "ال" کے ساتھ لکھا جائے اس لئے کہ اردو میں ان کا استعمال عام ہو گیا ہے۔

(۱۸) تحتَ الثرا۔ میں دوسری ت اور ث میں زبر لکھنا چاہیئے تاکہ تلفظ میں غلطی نہ ہو۔

(۱۹) شبہہ، جبہہ میں ''دو "ہ"'' آتی ہیں پہلی ہائے ملفوظ کی حیثیت سے دوسری ہائے مختفی کی حیثیت سے، ان لفظوں کو اسی طرح لکھنا چاہیئے۔

(۲۰) ''بابر'' کی تحقیق بتاتی ہے کہ یہ لفظ ترکی میں ''ب'' کے پیش کے ساتھ بابُر ہے۔ چنانچہ بعض حضرات اپنے اظہارِ علم کے لئے ''بابُر'' لکھنے لگے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے اردو میں ب کے زبر کے ساتھ ہی مستعمل ہے اور یہی صحیح ہے بالکل اسی طرح جیسے ترکی کا ''بیگُم'' اردو میں ''بیگَم'' ہے۔

(۲۱) تقاضا۔ تحاشا۔ تماشا کو بعض الف کے بجائے ہائے مختفی سے تقاضہ۔ تحاشہ اور تماشہ لکھتے ہیں صحیح نہیں ہے الف سے لکھنا چاہیئے۔

(۲۲) ''بالمشافہہ'' کو اکثر بالمشافہ لکھا جاتا ہے، یہ غلط محض ہے اس کے آخر میں دو ''ہ'' آتی ہیں ایک ہائے ہوز اور دوسری ہائے مختفی۔ دونوں لکھی جائیں تاکہ پڑھنے میں غلطی نہ ہو۔ بالمواجہہ کی بھی یہی صورت ہے۔

(۲۳) بیان کیا جاچکا ہے کہ الفاظ کے آخر میں جب ہائے مختفی ماقبل سے متصل ہو کر آئے گی تو صرف ایک مختصر شوشے کے ساتھ لکھی جائے گی جیسے مہ۔ بہ۔ نہ۔ یہ وغیرہ لیکن اگر ہائے ملفوظ ہوگی تو دو شوشے آئیں گے۔ جیسے کہہ۔ (کہا) سہہ (سہاسے) بہہ (بہاسے)

(۲۴) عبارت کے اندر اعداد کے اظہار کے لئے ہندسوں کی بجائے الفاظ استعمال کئے جانے چاہیئے یعنی ۳۰۰ روپے کو تین سو روپے۔ ۲½ من کو ڈھائی من ۱۲ار کو بارہ آنے لکھنا چاہیئے۔ اس سے مغالطے کی گنجائش نہیں رہے گی

(۲۵) لکھتے وقت سطروں کے خاتمے کے سلسلے میں مندرجہ ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

(الف) کوئی فعل، دو سطروں میں تقسیم نہ ہونا چاہیئے یعنی ایسا نہ ہو کہ ''جاؤں گا'' ''کرتا ہوں'' ''گیا تھا'' وغیرہ کا ایک جزو۔ جاؤں۔

کرتا۔ گیا۔ پہلی سطر میں ہوں اور گا ۔ ہوں ، تھا دوسری سطر میں ۔

(ب) اسما کے سلسلے میں بھی یہی صورت ملحوظ رہے گی یعنی ہر کلمہ اکائی کے طور پر ایک ہی سطر میں لکھا جائے گا ۔ یہ نہیں کہ گھبراہٹ ۔ مانوس ۔ توکل کے ابتدائی اجزا ' گھبرا ۔ ما اور تو ایک سطر میں ہوں اور آخری اجزا ' ہٹ ' ، نوس ' اور کل دوسرے میں ۔

اس طرح کی فروگزاشت بظاہر بہت معمولی نظر آتی ہے لیکن اول تو لفظ کے بے محل تقسیم سے عبارت کا روپ خراب ہو جاتا ہے ۔ دوسرے بقول صاحب کیفیہ ، کبھی کبھی اس سے پیدا ہونے والے معنی ، ذہن کو بڑی الجھن میں ڈال دیتے ہیں ۔ مثال کے طور پر اگر صفحہ کے آخری سطر کا آخری ٹکڑا ہو

" آج آپ کا بھائی مرا " اور دوسرے صفحے کی پہلی سطر میں " د آباد گیا ہے " ، تو ایک لمحے کے لئے آپ چونک جائیں گے اگرچہ دوسرے ہی لمحے آپ کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ ۔

" آپ کا بھائی آج مراد آباد گیا ہے "

(ج) ہندی ۔ فارسی اور عربی مرکبات مثلاً

۱۔ دودھ والا ۔ اَن پڑھ ۔ کام چور ۔ جیب گھڑی ۔ مزے دار وغیرہ ۔

۲۔ خواب آور ۔ خیال افروز ۔ شیر فروش ۔ دل سوز ۔ خورد و نوش ۔ ہوش و گوش ۔ خون جگر ۔ غنچۂ دل ۔ جواں سال ۔ لب شیریں ۔ مرد ناداں ۔ وغیرہ کو بھی یکجا لکھنا چاہیے ۔

۳۔ عنداللہ ۔ ماشاءاللہ ۔ سبحان اللہ ۔ مابہ الامتیاز ۔ قصص الانبیاء ۔ تذکرۃ الشعرا اور اس قسم کے دوسرے الفاظ کو بھی ایک ہی سطر میں لکھنا چاہیے ۔

(د) اردو کے بعض مرکبات کئی کئی نقطوں سے مل کر بنتے ہیں لیکن معنوی حیثیت سے مفرد ہوتے ہیں جیسے

(۱) دودھ بیچنے والا

(۲) ٹھیکہ لینے والے صاحبان

(۳) ہل چلانے والے بوڑھے کسان

اس طرح کے مرکبات کو بھی ایک ہی سطر میں جگہ پانا چاہیئے

(ک) کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ اگر ۔مگر۔ سو ۔ تو ۔ جو' قسم کے کلمات پر سطر ختم نہ ہو۔

(ل) حرف جار ۔ سے ۔ کو ۔ میں ۔ نے ۔ پر وغیرہ ہمیشہ اپنے مجرور یعنی قبل آنے والے اسما کے ساتھ لکھے جانے چاہیئے جیسے

۱۔ لاہور سے

۲۔ بچے کو

۳۔ دن میں

۴۔ اس نے

۵۔ دیوار پر

ان حروف کو مجرور سے الگ کر کے دوسری سطر میں لکھنا درست نہ ہوگا۔

(ن) جب کسی فعل کی نفی کے لئے نہ یا نہیں اور فعل نہی کے لئے نہ یا مت کے الفاظ استعمال کئے جائیں گے تو یہ کلمات فعل کے ساتھ ایک ہی سطر میں لکھے جائیں گے مثلاً

۱۔ نہ کر

۲۔ مت جا

۳۔ نہ آیا نہ گیا

۴۔ نہیں سنا

قسم کے فقروں میں فعل کو کلمات نفی کے ساتھ یکجا لکھا جائے گا

(۲۶) پرانے املا میں اِس اور اُن کے لفظوں کو اوس ۔ اون وغیرہ لکھا جاتا

تھا اب اسے متروک سمجھنا چاہیئے اور صرف اس، ان لکھنا چاہیئے۔

(۴۷) اردو املا میں بعض الفاظ، حروف کو غیر ضروری طور پر ملا کر لکھے جاتے ہیں یہ بھی ایک طرح کا غلط املا ہے، ان کی صحیح صورتیں یہ ہیں:۔

غلط	صحیح
(۱) اِسکو ۔ اُسکو	اِس کو ۔ اُس کو
(۲) اِنکو ۔ اُنکو	اِن کو ۔ اُن کو
(۳) اسلیئے ۔ کسکے ۔ کیلئے	اس لیے ۔ کس کے ۔ کے لیے
(۴) اسواسطے ۔ کسواسطے	اس واسطے ۔ کس واسطے
(۵) اِسقدر ۔ کسقدر ۔ اِسطرح ۔ جسطرح	اِس قدر ۔ کِس قدر ۔ اِس طرح ۔ جس طرح
(۶) پھلدار ۔ طرحدار ۔ مالدار ۔ ایماندار	پھل دار ۔ طرح دار ۔ مال دار ۔ ایمان دار
(۷) عقلمند ۔ صحتمند ۔ دولتمند	عقل مند ۔ صحت مند ۔ دولت مند
(۸) مجھکو ۔ تجھکو ۔ مجھسے ۔ تجھسے	مجھ کو ۔ تجھ کو ۔ مجھ سے ۔ تجھ سے
(۹) ہمکو ۔ تمکو	ہم کو ۔ تم کو
(۱۰) کیونکہ ۔ کیونکر	کیوں کہ ۔ کیوں کر
(۱۱) حالانکہ	حالاں کہ
(۱۲) چنانچہ	چناں چہ
(۱۳) چاہیئے، کیجیئے، دیجیئے، پیجیئے، لیجیئے، لیئے، دیئے، پیئے، لیئے، کیئے	چاہیے، کیجیے، دیجیے، پیجیے، لیجیے، لیے، دیے، پیے، لیے، کیے
(۱۴) خوبصورت ۔ خوشبو	خوب صورت ۔ خوش بو
(۱۵) ٹیلیویژن یا ٹیلیوزن ۔ ٹیلیفون	ٹیلی ویژن ۔ ٹیلی وژن ۔ ٹیلی فون
(۱۶) یونیورسٹی ۔ یونیفارم	یونی ورسٹی ۔ یونی فارم
(۱۷) رہیگا ۔ کہیگا ۔ بہیگا	رہے گا ۔ کہے گا ۔ بہے گا

(۱۸) دلچسپ ۔ دلپسند ۔ دلخراش ۔ دلخواہ   دل چسپ ۔ دل پسند ۔ دل خراش ۔ دل خواہ

(۱۹) جسکو ۔ جسقدر ۔ جسطرف   جس کو ۔ جس قدر ۔ جس طرف

(۲۰) راہبر ۔ راہنما ۔ راہگیر   راہ بر ۔ راہ نما ۔ راہ گیر

(۲۱) پہونچنا ۔ سونچنا   پہنچنا ۔ سوچنا

(۲۸) ہندسوں میں سن لکھنا مقصود ہو تو سن کے نشان "سنہ" کے ساتھ لکھا جائے جیسے ۱۹۷۴ء ۱۸۵۷ء ۱۹۶۵ء ۱۱۶۵ھ ۱۱۹۹ھ وغیرہ، عیسوی سنہ میں ء کا اور ہجری میں ھ کا نشان لگایا جائے۔

(۲۹) ہندسوں میں تاریخ لکھی جائے تو عدد کے بعد ترچھا الف لکھا جائے جیسے ۲۸/جون ۲۵/جولائی ۱۴/اگست وغیرہ

(۳۰) تاریخ، مہینا اور سال تینوں کی نشان دہی، ہندسوں کے ذریعے کرنی ہو تو دو طرح لکھنا چاہیئے۔

(۱) ۱۴ ۔ ۸ ۔ ۴۷

(۲) ۱۴ $\frac{۸}{۴۷}$

ان میں ۱۴، سے مراد چودہ تاریخ، آٹھ سے مراد آٹھواں مہینہ اور ۴۷ سے مراد ۱۹۴۷ء ہے

(۳۱) "قدس سرہ" کو "قُدِسَ سِرُّہٗ" یعنی قاف کو مفتوح نہیں مضموم لکھا جائے گا اگر مفتوح لکھنا ہو تو قدس کے بعد اللہ کا لفظ بڑھا کر یوں لکھا جائے قَدَسَ اللہُ سِرَّہٗ

(۳۲) "رضائی" کی اصل کیلیے اس کی بحث کا یہ موقع نہیں بعض کا خیال ہے کہ فارسی مصدر رزیدن ۔ بمعنی رنگنا سے ہے اس لئے رزائی لکھنا چاہیئے ممکن ہے یہ خیال صحیح ہو لیکن چونکہ اردو فارسی میں ز اور ض دونوں سے ملتا ہے اس لئے دونوں طرح درست ہے ترجیح ز کو دینا چاہیئے

(۳۳) ایک لفظ گہماگہمی ۔ آج کل بہت بولا جاتا ہے ۔ اس کا تلفظ بعض لوگ سہماسہمی کے وزن پر اور بعض دھماچوکڑی... دھمادھمی کے وزن پر کرتے ہیں۔ معلوم نہیں سہماسہمی کے وزن

پر بولنے کا کیا جواز ہے لیکن "دھمادھمی" کے وزن پر "گھماگھمی" پڑھنے اور بولنے کا جواز سمجھ میں آتا ہے۔ یہ لفظ غالباً گھوماگھامی (گھومنا سے) کا مخفف ہے اور چوماچاٹی یا چوم چاٹ اور تانک جھانک یا تاکاجھانکی کے انداز پر بنایا گیا ہے اس لئے اسے دوچشمی "ھ" سے گھماگھمی لکھنا چاہیئے اور دھمادھمی کے وزن پر پڑھنا چاہیئے

(۳۴) دوکان میں واؤ کی ضرورت نہیں بغیر واو کے "دکان" لکھنا چاہیئے

(۳۵) فارسی ترکیب میں بشرطیکہ مضاف یا موصوف کا آخری حرف الف، و ہمزہ اور یائے مجہول نہ ہو۔ مضاف یا موصوف کے نیچے زیر لکھا جائے گا جیسے دلِ پرخون، گلِ رنگین غمِ روزگار، شگفتنِ گل۔ رسمِ جفا، خونِ جگر۔ حسنِ نظر۔ خیالِ حسن وغیرہ

(۳۶) منہ کو بعض منھ لکھتے ہیں یہ صحیح نہیں منہ لکھنا چاہیئے۔ موں اور مونھ یکسر غلط

(۳۷) چھانٹنا کے حاصل مصدر چھانٹ کو بعض نون غنہ کے بغیر لکھتے ہیں جیسے کاٹ۔ چھاٹ۔ یہ درست نہیں کاٹ چھانٹ لکھنا چاہیئے۔ اس قسم کی غلطی بانٹنا (تقسیم کرنا) اور بٹنا (تقسیم ہونا) کے مصادر کے استعمال میں کئی جگہ دیکھنے میں آتی ہے اس کے مشتقات جہاں کہیں بھی لکھے جائیں نون غنہ کے ساتھ لکھے جائیں۔

(۳۸) شصت بمعنی ساٹھ کو شست بھی لکھ سکتے ہیں لیکن چونکہ اردو میں شست کا لفظ بمعنی نشانہ یا ہدف بھی مستعمل ہے اس لئے شصت کو س کے بجائے ص ہی سے لکھنا مناسب ہے۔

(۳۹) گائے۔ چائے۔ ناؤ۔ تاؤ۔ دیو۔ سیو۔ رائے۔ ہائے وغیرہ جن کے آخر میں ے اور واؤ کھینچ کر نہیں پڑھی جاتی بغیر ہمزہ لکھے جائیں گے

(۴۰) "مسالا" خواہ گرم مسالا کے لوازم میں سے ہو یا گوٹا کناری کے معنی میں اسی طرح لکھا جائے گا۔ مصالحہ۔ مسالہ یا مصالا لکھنا درست نہیں۔

(۴۱) عربی کے بعض الفاظ مثلاً ہذا۔ الٰہ اور الٰہی کا مروجہ املا یہی ہے اس لئے انہیں بغیر کسی تبدیلی کے اس طرح لکھنا چاہیئے۔

(۴۲) خربوزہ کو بعض خرپزہ اور تربوز کو تربوزہ لکھتے ہیں لیکن بولنے اور لکھنے میں رواج عام چونکہ خربوزہ اور تربوز کا ہے اس لئے اردو املا میں خرپزہ اور تربوزہ لکھنا درست نہ ہوگا۔

(۴۳) طالب کی جمع طَلَبہ کو اردو املا میں طلبا بھی لکھتے ہیں اگرچہ عربی قاعدے کے مطابق یہ درست نہیں لیکن چونکہ طلبہ اور طلبا دونوں کا رواج عام ہو چکا ہے اس لئے دونوں طرح لکھنا درست ہے لیکن ترجیح طلبہ کو دینا چاہیئے۔

(۴۴) انشاءاللہ کو بعض نے ان شاءاللہ لکھنے کا مشورہ دیا ہے مشورہ غلط نہیں ہے۔ لیکن اردو میں انشاءاللہ ہی مروج ہے اس لئے انشاءاللہ کو صحیح اور ان شاءاللہ کو غلط سمجھنا چاہیئے۔

(۴۵) بعض نے آئیں۔ جائیں اور لائیں وغیرہ کو آئں۔ جائں۔ لائں وغیرہ لکھنے کا مشورہ دیا ہے دلیل یہ ہے کہ بلحاظ عروض کہیں یہ الفاظ 'فعلن' کے وزن پر آتے ہیں کہیں 'فاع' کے وزن پر لیکن اردو املا کے اصولوں کو عروضی بحثوں سے جانچنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اس لئے پہلی صورت یعنی آئیں۔ جائیں اور لائیں وغیرہ ہی کو صحیح سمجھنا چاہیئے۔

(۴۶) "کوئی" کو بھی بعض نے بغیر ہمزہ "کوی" لکھا ہے یہ صحیح نہیں ہمزہ کے ساتھ لکھنا چاہیئے۔ روئی۔ سوئی، چھوٹی موٹی، کئی، گئی، ہئی، نئی، وغیرہ بھی ہمزہ کے ساتھ لکھے جائیں گے خواہ عروضی اوزان میں اسے ساقط کرنا پڑے۔

(۴۷) "سوائے" اور "بجائے" کی یائے تحتانی پر ہمزہ آئے گا۔

(۴۸) کسی مصدر کے درمیان میں جب نون کا حرف دوبار ساتھ ساتھ آئے تو دوبار لکھا جائے گا جیسے سننا۔ بننا۔ تننا وغیرہ لیکن غیر مصدر میں تشدید کا استعمال ہوگا جیسے گنّا۔ چنّا۔ دھنّا وغیرہ

(۴۹) "جزو" بمعنی حصّہ عربی میں ہمزہ کے ساتھ جزء ہے لیکن اردو املا کا عام اصول یہ ہے کہ عربی الفاظ کے آخر کا ہمزہ ساقط ہو جاتا ہے، اس لحاظ سے اسے "جز" لکھنا چاہیئے لیکن اردو میں چونکہ اس شکل کا دوسرا لفظ جز' بمعنی "بجز" بھی مستعمل ہے اس لئے دونوں میں فرق کرنے کے لئے اردو میں جزُ بمعنی حصہ کو "جزو" یعنی واو کے ساتھ لکھنا چاہیئے۔ اس کا رواج عام بھی ہے۔

(۵۰) زردہ (چاول) کو ہ سے لکھا جائے تاکہ زردا (تمباکو) میں فرق قائم رہے

(۵۱) ذی قعد اور ذی الحجہ کو بعض نے ذوالقعدہ اور ذوالحجہ لکھنے کا مشورہ دیا ہے یہ مشورہ عربی کے نقطہ نظر سے درست ہے لیکن اردو میں رواج عام ذی قعد اور ذی الحجہ کا ہے اس لئے یہی املا اب درست سمجھا جائے گا۔

(۵۲) ضیا۔ ثنا اور علا کے الفاظ عربی میں ہمزہ کے ساتھ ضیاء ثناء اور علاء ہیں۔ بیان کیا جا چکا ہے کہ اردو میں جب اس طرح کے الفاظ مفرد استعمال ہوں گے تو بغیر ہمزہ لکھے جائیں گے لیکن جب عربی اضافت کے ساتھ آئیں گے تو ہمزہ لکھا جائے گا جیسے ضیاء الاسلام۔ ثناء اللہ اور علاء الدین ہیں۔

(۵۳) مؤنث۔ مؤخر۔ مؤثر۔ اسرائیل۔ آئینہ۔ مؤدب اور اس طرح کے دوسرے عربی فارسی الفاظ جن کے درمیان میں ہمزہ لکھا جاتا ہے اردو میں بھی لکھا جائے گا۔

(۵۴) ہندو اور بچھو کی جمع ہندوؤں اور بچھوؤں پر ہمزہ لکھا جائے گا۔

(۵۵) عربی کے بعض الفاظ مثلاً دوران، بطلان اور حیوان وغیرہ فعلان کے وزن کے مصدر ہیں یعنی ان کا پہلا حرف بھی مفتوح ہے اور دوسرا بھی لیکن اردو املا میں دوسرے حرف کا زبر (فتحہ) ساقط ہو جائے گا اور ساکن شمار کیا جائے گا اس لئے دوسرے حرف پر، عربی کی تقلید میں فتحہ (زبر) نہ لکھا جائے

(۵۶) فارسی کے مرکب عطفی مثلاً دیدہ و دل، جاہ و جلال، ماہ و سال، رمز و کنایہ، رسم و راہ، صبح و شام، جان و دل، جسم و روح، عمر و سال وغیرہ میں ہمزہ لکھنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے بعض لوگ "واو" پر ہمزہ لکھ کر بھونڈی قسم کی غلطی کرتے ہیں

(۵۷) فارسی مرکب اضافی اور توصیفی میں اکثر مضاف اور موصوف کا آخری حرف یائے معروف ہو تو ی کے نیچے، اضافت کو ظاہر کرنے کے لئے زیر کا نشان لگایا جائے جیسے طوطیِ ہند۔ درشتیِ اخلاق۔ خرابیِ بسیار، شوخیِ رفتار، سختیِ ایام، زندگیِ دوام، روشنیِ طبع، مفتیِ زماں، شادیِ مرگ وغیرہ۔ بعض نے زیر کے بجائے "ی" پر ہمزہ لکھنے کا مشورہ دیا ہے لیکن اردو املا میں ی کے نیچے زیر لگانا ہی مناسب ہے۔ اس لئے کہ صحیح تلفظ سے یہی قریب تر ہے۔

(۵۸) انگریزی کے وہ الفاظ جن کے شروع میں ایس (S) آتا ہے اور تلفظ میں اِی (E) کی آواز نکلتی ہے اردو املا میں الف سے لکھے جائیں گے۔ جیسے اسکول، اسپیشل، اسٹیٹ، اسپورٹ، اسٹول وغیرہ

(۵۹) فارسی عربی کے ایسے الفاظ، جس کا آخری حرف یائے مجہول ہو۔ فارسی ترکیب میں مضاف یا موصوف ہوں گے تو اضافت کے لئے اظہار کے لئے نہ ہمزہ کی ضرورت ہوگی نہ زیر کی اس لئے کہ بقول شوکت سبزواری "ے" کسرہ اضافت کی نیابت کر لیتی ہے جیسے مئے لطیف اور مئے ناب، بغیر ہمزہ لکھے جائیں گے

(۶۰) "مزہ" کا لفظ فارسی ترکیب میں ہائے مختفی کے ساتھ اور اردو کے روزمرہ میں الف سے لکھا جائے جیسے کلفٹن کی سیر میں بڑا مزا آیا۔

(۶۱) بعض نے "جمادی الاول، جمادی الثانی اور غوث الاعظم کو جمادی اولیٰ، جمادی الآخرہ اور الغوث الاعظم لکھنے کا مشورہ دیا ہے اور عربی کی رو سے یہی درست بھی ہے لیکن اول الذکر صورتیں غلط العام فصیح میں داخل ہو گئی ہیں اس لئے پہلی ہی صورت میں لکھنا چاہیے

اُردو رسم الخط

(مسائل و مباحث کی روشنی میں)

اردو رسم الخط میں اصلاح و ترمیم کرنے کے یا اسے سرے سے بدل دینے کی کوششوں کا سلسلہ، انگریزوں کے سیاسی استحکام کے بعد سیاسی اغراض کے تحت شروع ہوتا ہے۔ پہلے انگریزوں کی شہ پر متعصب ہندوؤں کی طرف سے اس پر اعتراضات اٹھائے گئے بعد ازاں اس کے معترضین میں بعض ایسے حضرات بھی، دانستہ یا نادانستہ شامل ہو گئے جو خود کو اردو کا دوست کہتے ہیں۔ پہلی صورت، اردو کے حق میں کچھ ایسی مہلک و مضر نہ تھی۔ اس لئے کہ اردو خواں طبقے کے نزدیک ان کے اعتراضات سیاسی اغراض اور تعصبات پر مبنی تھے لیکن جب اردو رسم الخط، کو اردو ہی کے بعض ادیبوں اور ناقدوں کی طرف سے تنقیص و تنقید کا نشانہ بنایا گیا تو اردو رسم الخط کی طرف سے ایک بدگمانی پیدا ہو گئی اور وہ عام و خاص میں ایک طرح کا موضوعِ بحث بن گیا اور اس بحث نے اگرچہ اردو کو کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچایا لیکن اس کی ترقی اور مقبولیت کی راہ میں ایک طرح کی رکاوٹ ضرور ہے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا اس کے پورے پس منظر میں تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا جائے۔

ہمارے یہاں انگریزوں کے اشارے پر "اردو رسم الخط" کو ناقص ٹھہرانے کا سلسلہ دراصل فورٹ ولیم کالج میں اس وقت سے شروع ہوتا ہے جبکہ للو لال جی کی "پریم ساگر" نامی کتاب اردو رسم الخط کی بجائے ناگری یعنی ہندی رسم الخط میں شائع کی گئی۔ یہ ناگری رسم الخط میں ہندی کی پہلی کتاب تھی۔ بعد کو، بنگال، بہار، یو۔ پی اور پنجاب کے ہندوؤں نے انگریزی کی لسانی حکمت عملی کے تحت، اردو کے رسم الخط کو ناگری میں تبدیل کر دینے کی منظم تحریک کا آغاز کر دیا جس نے صرف یہی نہیں کہ ہندی اُردو کے جھگڑے کو جنم دیا بلکہ مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ وہ اپنے ملّی تشخص اور ثقافتی تحفظ کے لئے پاکستان کے نام سے اپنے لئے

ایک الگ مملکت کا مطالبہ کریں۔ ابتدا میں ہندوؤں کا مطالبہ صرف اس قدر تھا کہ اردو کا "رسم الخط" فارسی کے بجائے ناگری کر دیا جائے اس میں بھی ان کی غرض مندانہ دوراندیشی اور دانائی کو بڑا دخل تھا۔ وہ جانتے تھے کہ رسم الخط اور زبان میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور جیسے ہی اردو کے رسم الخط میں ترمیم و تنسیخ ہوئی یا اسے فارسی سے ناگری میں بدلا گیا، اردو خود بخود کچھ دنوں میں ختم ہو جائے گی اور ہندی ابھر کر سامنے آجائے گی۔ بات یہ ہے کہ ہندی، کوئی الگ سے زبان نہ تھی اس کا نحوی ڈھانچہ اور قواعد کے اصول وہی ہیں جو اردو کے۔ البتہ سنسکرت الفاظ کے بکثرت استعمال سے یہ ہندی بن جاتی تھی۔ ہندوؤں کا بنیادی مقصد بھی یہی تھا، چنانچہ پہلے انھوں نے اردو کو ناگری رسم الخط میں لکھنے کا مطالبہ کیا۔ پھر، اس میں سے عربی و فارسی کے الفاظ نکال کر، سنسکرت الفاظ داخل کر دیئے اور اسے ہندی کا نام دے دیا۔ حتیٰ کہ ۱۸۹۸ء میں اردو کے خلاف جو طویل عرضداشت ہندوؤں کی طرف سے، لفٹننٹ گورنر میکڈانل کو دی گئی اس میں بھی صرف "ناگری" کو رائج کرنے کی گزارش کی گئی تھی۔ چنانچہ میکڈانل صاحب جو کہ اردو کے جانی دشمن اور ہندی کے طرفداروں میں تھے خود بھی ابتداءً یہی کہتے تھے کہ اردو کو ختم کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف اردو کے رسم الخط کو ناگری میں بدل کر اسے آسان بنانا ہے۔ میکڈانل اچھی طرح جانتے تھے کہ کسی زبان کے لئے جو رسم الخط صدیوں تک استعمال رہتا ہے اس میں اور اس زبان میں طرح طرح کے بڑے گہرے اور دور رس تعلقات قائم ہو جاتے ہیں اور وہ زبان کے رگ و ریشہ سب میں اس طرح پیدا ہو جاتا ہے کہ رسم الخط کو بدل دینے سے زبان کی صورت کے ساتھ اس کی روح کا بدل جانا بھی لازمی امر ہے۔ یہی حال اس قوم کا ہے جو اپنی زبان کے لئے ایک رسم الخط رکھتی ہے اگر اس رسم الخط کو مطلقاً بدل دیا جائے تو وہ قوم اپنے ماضی، روایات، ادب، ثقافت علوم، فنون سب سے بیگانہ ہو جائے گی گویا صدیوں کی ترقی کے بعد وہ پھر اپنے بچپن کی جانب لوٹے گی اور اس طرح اسے ایک ایسے عظیم خسارے سے واسطہ ہو گا جس کی

۱؎ مضامین سلیم جلد اول صہ ۱۶۴ مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۶۱ء

کسی طرح تلافی نہیں کی جا سکتی ۔[1]

چنانچہ ہندوؤں نے خاص اسی غرض سے کہ "ناگری" کے استعمال سے نہ صرف اردو بلکہ مسلمانوں کے سارے ثقافتی و تہذیبی سرمائے کا رفتہ رفتہ خاتمہ ہو جائے گا۔ ہندی زبان سے پہلے 'ناگری' رسم الخط کو جاری کرنے پر زور دیا۔ ہندی کے بعض حامیوں نے ہی ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد ہی یہ دعویٰ کرنا شروع کر دیا تھا کہ ناگری رسم الخط، فارسی رسم الخط سے بہتر ہے اور اس کا رواج مروجہ فارسی خط سے زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ ہندی کے سرگرم حامی راجندر لال متر نے ۱۸۶۴ء میں کہا تھا کہ ہندوستانی زبان سچ پوچھو تو دو رسوم خط میں لکھی جاتی ہے، ناگری اور فارسی" فرق یہ بتایا ہے کہ فارسی رسم الخط، مسلمانوں کی ہندوستانی (اردو) اور ناگری رسم الخط، ہندوؤں کی ہندوستانی (اردو) کے لئے استعمال ہوتا ہے گارسان دتاسی نے ۱۸۶۵ء کے خطبے میں اس رائے سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اردو کو ناگری رسم الخط میں لکھنے سے عربی و فارسی الفاظ کو پڑھنا اس سے بھی زیادہ مشکل ہو جائے گا جتنا کہ سنسکرت الفاظ کو فارسی رسم الخط میں ۔[2]

اردو کے رسم الخط کی تبدیلی کے سلسلے میں ناگری ہی نہیں رومن یا لاطینی رسم الخط کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے، گارسان دتاسی کے مذکورہ بالا خطبے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے جس سال راجندر لال متر نے ناگری کو رائج کرنے کے سلسلے میں مضمون لکھا اسی سال ایک مستشرق ماہر لسانیات نے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے رسالے میں اردو کو رومن میں لکھنے کا مشورہ دیا، دلیل یہ دی کہ "اردو کا کوئی اپنا مخصوص رسم الخط نہیں ہے۔ فارسی رسم الخط ہندی نژاد نہیں ہے اور دیو ناگری رسم الخط میں جو ہندوؤں میں بالعموم مروج ہے یہ صلاحیت نہیں کہ اس زبان کے فارسی عناصر کا بخوبی احاطہ کر سکے۔ گارسان دتاسی نے اس کے جواب میں لکھا کہ اردو کو لاطینی خط میں لکھنا مفید نہ ہوگا اس واسطے کہ لاطینی حروف کے ساتھ مزید ایسے حروف

---

[1] ۔ خیابان (خاص نمبر) ص ۷۰ مطبوعہ شعبۂ اردو، پشاور یونیورسٹی دسمبر ۱۹۶۴ء

[2] ۔ خطبات گارسان دتاسی حصہ دوم ص ۲۲

کی ضرورت ہوگی جن پر مخصوص علامتیں لگی ہوں گی۔ یہ ایک نیا نظام تہجی ہوگا۔ اوران کا سیکھنا ہندی کے حروف تہجی سے بھی زیادہ دشوار ہوگا۔ [1]

گارساں دتاسی نے اور بھی کئی خطبوں میں، زور دے کر کہا ہے کہ زبان اور رسم الخط ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہوتے ہیں اس لئے کہ اردو کے رسم الخط کو ناگری یا رومن میں بدلنا اس کے حق میں تباہ کن ثابت ہوگا۔ اپنی "مشہور تاریخ" ادب ہندوستانی" کے مقدمے میں بھی اس نے اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

گذشتہ کئی برسوں سے ہندوستان میں وہی رجحان پیدا ہوگیا ہے جو یورپ میں قومیت کے نام پر پیدا ہوا تھا۔ ہندوؤں نے اردو پر حملے شروع کر دیئے ہیں ان کا دعویٰ ہے کہ ملک کی زبان اردو نہیں ہندی ہے لیکن اس حقیقت کو نظر انداز کر جاتے ہیں کہ اردو ایک دلکش ادبی سرمایہ رکھتی ہے اس کے برعکس ہندی کا ادبی حیثیت سے عدم و وجود برابر ہے۔ یہ مسئلہ ادبی نوعیت کا ہے جسے فرانس میں "تنگ نظر قوم پرستوں نے صوبائی بولیوں کو از سر نو زندہ کرنے کی کوشش میں اٹھایا تھا۔ اسی طرح ہندو رسم الخط کے مخالف ہیں اور دیوانگی کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن ایسا کرنا آنکھ سے اندھے ہونے کے مترادف ہے بہرحال مسلمانوں نے حوصلہ مندی سے ان کے حملوں کا مقابلہ کیا اور ایسی دلیلیں پیش کیں کہ ہر نقطہ نظر سے وہ کامیاب رہے۔ یہ اختلاف دراصل نسل و مذہب کے اختلاف سے پیدا ہوا ہے کون جانے کہ انگریزی حکومت رومن حروف تہجی کو رواج دے کر اس اختلافی مسئلے کو ختم کر دے گی یا باقی رکھے گی لیکن اگر ایسا ہوا تو یہ علمی و ادبی حیثیت سے ایک افسوسناک واقعہ ہوگا۔ [2]

غرضکہ اردو کے لئے فارسی خط کے بجائے ناگری یا رومن رسم الخط کی تجویزیں بہت پرانی ہیں۔ ان تجویزوں پر بحث کا سلسلہ، سیاسی، علمی اور صحافتی ہر سطح پر ایک مدت سے جاری ہے۔ انیسویں صدی تک یہ بحث عموماً انفرادی حیثیت کی تھی۔ یا زیادہ سے زیادہ علمی و ادبی انجمنوں کی

ف [1] خطبات گارساں دتاسی حصہ دوم ص ۲۳

ف [2] مقدمہ تاریخ ادب ہندوستانی (اردو ترجمہ قلمی) ص ۷
مخزونہ ڈاکٹر محمود حسین لائبریری کراچی یونیورسٹی۔

نمائندگی تک محدود تھی لیکن بیسویں صدی میں ہند مسلم سیاست کا ایک جزو بن گئی اور علمی وادبی شخصیتوں کے ساتھ اس بحث میں سیاسی مفکرین اور قومی رہنما بھی شریک ہوگئے۔ دھواں دھار تقریریں ہوئیں، مقالات لکھے گئے۔ اخبارات میں اداریے اور کالم چھپے۔ علمی وادبی اور تعلیمی وسماجی انجمنوں نے قرار دادیں منظور کیں۔ سیاسی جماعتوں کے درمیان، مشترک قومی زبان اور مشترک رسم الخط کی تلاش میں مذاکرات ہوئے لیکن یہ ساری چیزیں عملاً بے نتیجہ ثابت ہوئیں اور ہونا بھی یہی چاہیئے تھا۔ اسلئے کہ ایک زبان کے منتقل رسم الخط کو خارج کر کے اس پر کسی دوسری زبان کے رسم الخط کو منطبق کرنے یا مروجہ رسم الخط کو پنچایت یا حکم احکام کے ذریعے شعوری طور پر آسان بنانے کا عمل ایک غیر فطری عمل تھا۔ زبان چھوٹی ہو یا بڑی، رسم الخط اس کا جزو بنیادی ہوتا ہے۔ نہ تو رسم الخط کو زبان سے جدا کیا جا سکتا ہے اور نہ کوئی زبان بغیر اپنے مخصوص رسم الخط کے بہت دنوں تک زندہ رہ سکتی ہے۔ ان کا باہم تعلق جسم وجان کی طرح ہے۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری لکھتے ہیں کہ

"یوں تو روح کے لئے ہر جسم برابر ہے کوئی بھی ہو جسم اگر سالم، توانا اور کامل ہے تو روح کو ترقی کرنے اور اندرونی توانائی حاصل کرنے کی بڑی آسانیاں ہیں۔ زبان کو بھی رسم الخط چاہیئے، وہ رسم الخط کی محتاج ہے اور رسم الخط کی صلاحیت اور کاملیت کا اثر زبان پر بھی پڑتا ہے ایک اور مثال درخت وزمین کی ہے۔ درخت کو زبان سمجھئے اور زمین کو رسم الخط۔ درخت ایک خاص قطعہ زمین سے متعلق ہوتا ہے جس میں اس کی جڑیں پیوست ہوتی ہیں۔ درخت کی نشوو نما میں ایک قطعہ زمین کا بڑا دخل ہوتا ہے رسم الخط کو زبان کی نشوونما میں تو کوئی دخل نہیں لیکن وہ زبان کے مزاج اس کی گوناگوں تبدیلیوں اور ارتقائی منزلوں کا حامل ہوتا ہے رسم الخط زبان کا آئینہ ہے جس میں اس کے خط وخال نظر آتے ہیں اس کی زندگی کا مقیاس ہے، ایک کتاب ہے جس میں زبان کی پوری تاریخ لکھی ہوتی ہے۔

درخت، جو زمین جڑ پکڑ چکا ہے آسانی کے ساتھ اکھاڑا نہیں جا سکتا ہے اور اگر کسی تختہ زمین سے اکھاڑ کر دوسری جگہ اس کو جما دیا جائے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ درخت خشک ہو جاتا ہے۔ اور اگر دوسری جگہ جم بھی جاتا ہے تو اچھے پھل نہیں دیتا۔ یہ اثر اس زمین سے الگ کرنے کا ہوتا ہے جہاں وہ عرصے سے لگا ہوا تھا۔ یہ تو ایک مثال ہے۔

کسی زبان کے قدیم رسم الخط کو ترک کرنا، اور اس کی جگہ کوئی دوسرا خط اختیار کرنا ایک غیر فطری عمل ہے اس میں زبان کا مزاج بدل جاتا ہے۔ اس کی تاریخ مٹ جاتی ہے۔ لفظ بے جان ہو جاتے ہیں۔ اور زبان میں وہ اثر وہ جلد و نہیں رہتا جو جگر پینے پر اس نے حاصل کیا تھا۔[۱]

بایں ہمہ اس غیر فطری عمل کو بعض حضرات برصغیر کی تقسیم کے بعد بھی ہندوستان و پاکستان میں آزمانے کی کوششیں کرتے رہے اگرچہ کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی۔ پروفیسر سید احتشام حسین نے بہ عنوان "زبان اور رسم الخط کا تعلق" اس بات کا اظہار کیا کہ۔

"یہ بات طے شدہ ہے کہ زبان پہلے پیدا ہوئی، اور اس کا رسم خط بعد میں۔ میں اس سے یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ زبان اور رسم الخط میں کوئی باطنی تعلق نہیں ہے بلکہ رسمی ہے۔ پھر جو یہ خیال بار بار دہرایا جاتا ہے کہ اگر کسی زبان کا رسم الخط بدلا گیا تو وہ زبان بھی ختم ہو جائیگی۔ اس کا کیا مطلب ہے۔؟

اب اگر یہ بات طے ہو جائے کہ زبان اور رسم الخط الگ الگ ہیں اور کوئی زبان کسی رسم الخط میں لکھی جا سکتی ہے تو پھر اردو کے لئے دیوناگری، لاطینی اور فارسی رسم الخط میں سے کسی ایک کے منتخب کرنے کا سوال دوسری نوعیت اختیار کرے گا۔ فطرت، مزاج، اور نفسیات کے نام پر بہت سے علمی مغالطے تیار کئے گئے ہیں انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر رسم الخط بدل دیا جائے گا تو زبان بدل جائیگی یا خراب ہو جائیگی"[۲]

پروفیسر سید احتشام حسین نے رسم الخط تبدیلی کے سلسلے میں جو دلائل دیئے تھے اول تو وہ بہت کمزور تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ خود بھی رسم الخط اور زبان کے گہرے رشتے سے وہ خوب واقف تھے اور انہوں نے انجان بن کر اس موضوع کو محض بحث و مباحثے کے لئے چھیڑا تھا۔ اس لئے جیسے ہی ان کے مضمون کے جواب علامہ نیاز فتحپوری اور دوسرے ادیبوں نے قلم اٹھا لیا، وہ اپنے

---

[۱] نگار (لکھنؤ) بابت اگست ۱۹۵۱ء ص ۳۱

[۲] نگار (لکھنؤ) بابت جون ۱۹۵۱ء ص ۳۵ تا ص ۳۸

موقف سے دست بردار ہو گئے۔

اس کے بعد ڈاکٹر عندلیب شادانی نے بہت پرانے مسئلے کو ایک نئے شوشے کے طور پر چھوڑا اور اردو املا کو آسان بنانے کی غرض سے بعض آوازوں کو اردو کے حروف تہجی سے خارج کرنے کی تجویز پیش کی[۱] اس کے رد میں بھی بہت کچھ لکھا جا چکا تھا۔ پھر بھی کئی مضامین لکھے گئے۔ ہر طرف سے مخالفت ہوئی مولانا حامد حسن قادری نے لکھا۔

"میرے نزدیک اردو کو آسان کرنے کی یہ تجویز نہایت خرابی کا باعث ہے۔ جب تک ہند و پاک میں مسلمان ہیں اسلامی کلچر سے بے نیاز نہیں رہ سکتے اور کلچر کے اجزائے ترکیب و استحکام و ترقی میں عربی، فارسی، اردو تینوں زبانیں شامل ہیں۔ اسلئے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ صد ہا لفظ جو تینوں زبانوں میں مستعمل ہیں، عربی و فارسی میں صحیح لکھے جائیں اور اردو میں ث، ذ، ض، ظ وغیرہ بدل کر لکھے جائیں"[۲]

ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے لکھا، "زبان وہ چیز نہیں کہ حاکم حکم کرے اور دوسرے ہی دن نیا آسمان نئی زمین بن جائے۔ یہ ان چیزوں میں ہے کہ

"نہ بزورے نہ بزاری نہ بزر می آمد"[۳]

پاکستان کے سابق صدر محمد ایوب خان کے اقتدار میں آنے کے بعد ۱۹۵۸ء میں رسم الخط کا مسئلہ پھر شد و مد کے ساتھ اٹھایا گیا۔ وہی سو سال پرانی تجویز جس کا مقصد فارسی رسم کو رومن خط سے بدلنا تھا۔ اور جس کی مخالفت گارساں دتاسی نے ۱۸۶۵ء کے خطبے میں کی تھی سامنے لائی گئی۔ اخبارات و رسائل کے ذریعے دوسروں کی رائیں طلب کی گئیں۔ کراچی کے اخبار جنگ نے اس پر رائے شماری کا سلسلہ شروع کیا۔ نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہیئے تھا۔ یعنی چند ایک کے سوا عام و خاص سب نے اردو کو رومن رسم الخط میں لکھنے کی تجویز کو رد کر دیا۔

---

[۱] خاور (ڈھاکا) بابت مئی ۱۹۵۲ء ص ۳۹ تا ص ۴۲

[۲] خاور (ڈھاکا) بابت جولائی ۱۹۵۲ء ص ۳۰

[۳] خاور (ڈھاکا)، بابت جولائی ص ۳۰

ان مباحث سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اردو کا رسم الخط دو چار سال نہیں پورے ڈیڑھ سو سال معرض بحث میں رہا ہے اور آج بھی اس کے خلاف، بعض گوشوں سے آوازیں سننے میں آجاتی ہیں۔ اس آواز کے خلاف سینکڑوں مدلل و مضبوط مضامین اردو کے مختلف رسائل میں بکھرے پڑے ہیں۔ مولوی عبدالحق کے خطبات اور گارسین دتاسی کے مقالات و خطبات میں تو مخالفین کی آرا کے ساتھ رسم الخط کا مسئلہ جگہ جگہ زیر بحث آیا ہے۔ انجمن ترقی اردو کے ترجمان ،، قومی زبان ،، میں اس موضوع سے متعلق کم و بیش وہ ساری بحثیں محفوظ ہیں جو کانگریس اور مسلم لیگ کے موقف کے طور پر موضوع سخن رہیں۔

زبان و ادب کے بہت سے عالموں نے اس طرف خاص توجہ کی اور اردو رسم الخط کی مدافعت میں نہایت کار آمد مضامین لکھے۔ پروفیسر مسعود حسین رضوی، علامہ نیاز فتحپوری، ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی، پروفیسر معین الدین دردائی، سید عبدالقدوس ہاشمی، ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر شوکت سبزواری، اور بعض دوسروں نے صرف یہی نہیں ناگری، رومن اور اردو رسم الخط کی بحث میں ساری نئی پرانی دلیلوں کو سمیٹ لیا، بلکہ بعض نئے دلائل کا اضافہ بھی کیا۔ لیکن اس طویل داستان اور تکرار بے جا سے پُر بحث کو اس کے جملہ حوالوں اور تفصیلات کے ساتھ اس جگہ دہرانا ممکن نہیں۔ البتہ رسم الخط کے موضوع کا ایک جائزہ اس جگہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جسے اس موضوع سے متعلق سارے مباحث کا خلاصہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

رسم الخط سے مراد وہ نقوش و علامات ہیں جنھیں حروف کا نام دیا جاتا ہے۔ اور جن کی مدد سے کسی زبان کی تحریری صورت متعین ہوتی ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ زبان کی تحریری صورت کا نام رسم الخط ہے۔ زبان خود کیا ہے۔؟

اس سوال کے جواب میں اس جگہ مختصراً اتنا کہنا کافی ہے کہ زبان نام ہے مجموعہ الفاظ کا۔ الفاظ مرکب ہیں اصوات سے اور اصوات نام ہے ان تصاویر، خطوط اور نشانات کا جو ارتقاء کی منزلیں طے کر کے آج حروف کے نام سے ہمارے سامنے ہیں۔ یہی حروف جو تلفظ کے ادا اور معنی کے اظہار کے لئے استعمال ہوتے ہیں، اپنی مربوط صورت میں کسی زبان کا رسم الخط کہلاتے ہیں۔!

زبان کی طرح رسم الخط کے وجود میں آنے کے بھی اسباب ہیں۔ زبان کی ابتدائی منزلوں میں جب کوئی آواز کسی کی زبان سے نکلی ہوگی۔ تو آواز دینے والے نے مخاطب پر اپنا مطلب واضح کرنے کے لیے اصل چیز دکھائی ہوگی یا پھر جس چیز کی طرف توجہ دلانی مقصود رہی ہوگی اس کی نشان دہی کے لئے کوئی تصویر، نقش یا علامت بنادی ہوگی، ٹھوس چیزوں کے سلسلے میں نقوش و علامات یا تصاویر سے بڑی مدد ملی ہوگی۔ لیکن جذبات وکوائف کو سمجھنے سمجھانے میں خاصی دشواری پیش آئی ہوگی، اس لئے کہ جذبات وکوائف کا تعلق عالم خارجی سے نہیں عالم محسوسات سے ہے پھر بھی آج جبکہ ہر قسم کے اظہار خیال کے لئے رسم الخط ہی سے کام لیا جارہا ہے یہ کہنا مشکل نہیں رہ جاتا۔ کہ انسان نے بہت جلد جذبات ومحسوسات کے لئے بھی علامتیں وضع کرلی تھیں۔ یہی علامتیں ہزاروں سال کی مسافتیں طے کرکے حروف کے نام سے موسوم ہوئیں اور آج انھیں کا دوسرا نام رسم الخط ہے۔ زبان اور رسم الخط دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں کسی نے صحیح کہا ہے کہ رسم الخط کو کسی زبان کا محض لباس سمجھنا غلطی ہے۔ لباس کو اتار کر پھینکا جاسکتا ہے، بدلا جاسکتا ہے۔ رسم الخط زبان کا لباس نہیں بلکہ اس کی جلد کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اسے زبان سے الگ کرنے کا نتیجہ زبان کی تباہی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ یہ خیال گمراہ کن ہے کہ کسی زبان کو دوسری زبان کے رسم الخط میں پوری صحت کے ساتھ لکھا جاسکتا ہے یا اور زبان کے مطالب کسی دوسری زبان کے رسم الخط میں من وعن ظاہر کئے جاسکتے ہیں اگر یہ ممکن ہوتا تو ہر زبان کے لئے ایک جداگانہ رسم الخط کی ضرورت نہ ہوتی۔ ساری زبانیں ایک ہی قسم کے حروف یا رسم الخط سے اپنا کام چلالیتیں۔ لیکن ایسا ممکن نہیں ہے مثال کے طور پر مندرجہ ذیل الفاظ دیکھئے۔

(4) HILL (3) HELL (2) HID (1) HEAD

اگر انھیں اردو میں لکھا جائے تو " ہڈ " اور " ہل " کے سوا کسی اور طرح لکھنا ممکن نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ مجبوری ادائے تلفظ میں حارج ہوگی مثلاً ذیل کے الفاظ دیکھئے۔

(1) EYE- I

(2) HEAR HEIR

(3) BIRTH

(4) HOLE . WHOLE

(5) DIE , DYE

(6) FOUL . FOWL

(7) LOSE / LOOSE

(8) LAWYER . LIAR

(9) EOR . FAR

(10) SEE , SEA

(11) SUN ,SON

انھیں اردو میں علی الترتیب آئی ہیر ، برتھ، ہول ، ڈائی ، فاول ، لوز ، لائر فار سی
اور سن لکھا جائے گا۔ اور یہ سمجھنا مشکل ہو گا کہ انگریزی کا کونسا لفظ اس جگہ مراد ہے۔ انگریزی
میں ہم تلفظ الفاظ ایک دو نہیں ہزاروں ہیں۔ اس لئے وہ اردو رسم الخط میں معنوی الجھن پیدا کریں گے
ایک مثال اور دیکھیے

MAIN, MEAN, MAN

میں سے انگریزی میں ہر ایک اپنا جدا تلفظ اور معنی رکھتا ہے لیکن اردو رسم الخط میں یہ سب
"مین" کی صورت میں لکھے جائیں گے۔ اور ان کے تلفظ اور معنی تک پہنچنا دشوار ہوگا۔ بعض انگریزی الفاظ
تو ایسے ہیں کہ انھیں کسی طرح اردو میں لکھا ہی نہیں جا سکتا مثلاً

SURE, CURE, PURE

اردو میں "پیور"، "کیسر"، "شیور" کی شکل میں لکھے جائیں گے اور اپنا تلفظ یکسر کھو بیٹھیں
گے انگریزی کے BATCH AND BADGE, CATCH کی صورت اردو میں ترتیب وار "کیچ"،
بیچ، اور کیوں، ہو جاتے گی اور یہ اردو کے بامعنی لفظ بن جائیں گے۔

انگریزی میں حروف علت (VOWEL) یعنی A, E, I, O اور U کی آوازیں اکثر
الفاظ میں ایک سی ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ALL, EARLY, OUGHT اور UGLY
وغیرہ ظاہر ہے کہ انھیں اردو رسم الخط میں الف یا ع سے لکھا جائے گا۔ اور تلفظ و معنی دونوں کے

سمجھنے میں دقت ہوگی۔ اس جگہ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ انگریزی میں حروف تہجی یا آوازیں صرف ۲۶ ہیں۔ اس کے برعکس اردو میں حروف یا آوازوں کی تعداد تقریباً دوگنی ہے۔ بایں ہمہ اردو رسم الخط میں انگریزی کا لکھنا ممکن نہیں ہے۔ عربی اور فارسی رسم الخط میں انگریزی لکھنے کی کوشش کی جائے تو اور زیادہ دشواریاں پیش آئیں گی وجہ یہ ہے کہ انگریزی کے D اور T کی آوازیں پیدا کرنا عربی اور فارسی حروف کے ذریعے ممکن ہی نہیں۔ اس قسم کی دشواریاں اردو کو انگریزی حروف میں لکھنے سے پیدا ہوں گی۔ اردو میں حروف تہجی یعنی آوازوں کی تعداد کثیر ہے۔ ظاہر ہے کہ انگریزی کے ۲۶ حروف ان کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اردو کی بہت سی آوازیں ایسی ہیں جو انگریزی یا رومن رسم الخط میں موجود نہیں مثلاً۔

ڈ، ٹھ، ت، ط، ع، غ، خ وغیرہ کی آوازوں کو لیجئے۔ اور دل، پہاڑ۔ تمام، طالب، وسیع، غریب، خدا، کو انگریزی میں لکھئے۔ تو بالترتیب ان کی صورتیں ہوں گی۔

KHUDA، GHRIB، WASI، TALIB، TAMAM، PAHAR، DIL

یعنی دل کو ڈل، پہاڑ کو پہار، تمام کو ٹمام۔ طالب کو ٹالب، وسیع کو وسی، غریب کو گریب، اور خدا کو کھدا لکھا جائے گا۔ اس سے تلفظ و معنی دونوں بری طرح مجروح ہوں گے و، غ اور خ کی آوازیں تو رومن میں کسی طرح پیدا ہی نہیں کی جاسکتی ہیں۔ اگر THAT کی مثال دیکر یہ کہا جائے کہ د کی آواز TH سے غ کی آواز GH سے اور خ کی آواز KH سے پیدا کرلی جائیں گی۔ تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ دھ، گھ، کھ وغیرہ کی آوازیں کہاں سے آئیں گی۔؟ چنانچہ اگر مندرجہ ذیل الفاظ انگریزی میں لکھے جائیں۔

غل، گھُل، دم، تھم، خر، کھر وغیرہ

تو ان کی صورتیں یہ بنیں گی اور اوپر کے لفظوں میں سے صرف ایک ہی سمجھا جائیگا۔

KHAR، THAM، GHAUL

ایسی مشکلات، ا، ع، خ اور ک، ث، ص، س اور دوسرے متشابہ الصوت حروف کی آوازیں میں پیش آئیں گی اور ان کے ذریعے تلفظ و معنی کا اخذ کرنا ناممکن ہوگا۔

ان مثالوں سے ظاہر ہے کہ ہر زبان کا رسم الخط اس کے اپنے مزاج اور ساخت کے مطابق ہوتا ہے۔ وہ اسی میں صحیح طور پر پڑھی جاسکتی ہے اور اسی میں لکھی جاسکتی ہے۔ کسی دوسری زبان کے رسم الخط

میں منتقل کرنے سے اس کی صورت اس قدر مسخ ہو جائے گی کہ پہچاننا مشکل ہو جائے گا۔ اسی نئے رسم الخط کو زبان کا پاس نہیں جلد کہا جاتا ہے۔ جلد اتار دینے سے زبان اصل صورت میں باقی نہیں رہ سکتی۔ رہ گیا یہ سوال کہ اردو کا رسم الخط کس قسم کا ہے اور اس میں کیا خامیاں اور خوبیاں ہیں سو اس سلسلہ میں یہ بتانا ضروری ہے کہ کسی زبان کی رسم الخط کی اچھائیوں اور برائیوں کو دو طریقوں سے پرکھا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ کس حد تک مفید اور آسان ہے اور دوسری یہ کہ دیکھنے میں کتنا خوبصورت ہے۔ اور بتایا جا چکا ہے کہ ہر زبان کے نظام تہجی میں اتنے ہی حروف یا نشانات ہوتے ہیں جتنی اس کے بولنے میں آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ ان حروف کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ وہ ساری آوازوں کو آسانی اور خوبصورتی کے ساتھ پڑھنے والوں کے سامنے لے آئیں۔ اس لحاظ سے اردو کا رسم الخط بہت جامع اور کامیاب رسم الخط ہے کہ وہ اس زبان کی ساری مروج آوازوں کی نمائندگی کرتا ہے۔

اردو رسم الخط میں حروف تہجی یعنی ا۔ ب ت ث وغیرہ کی تعداد ۵۰ ہے۔ انگریزی میں صرف ۲۶ ہیں، ہندی یا ناگری رسم الخط میں ان کی تعداد ۴۲ ہے عربی میں ۲۹ اور فارسی میں ۳۳ ہے۔ یہ حروف چونکہ ان زبانوں میں استعمال ہونے والی آوازوں کی تعداد کا تعین کرتے ہیں اس لئے آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ اردو زبان میں آوازوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو میں علاقائی اور بین المملکتی مزاج کی زبان ہے۔ اس نے اپنے نظام تہجی میں عربی، فارسی اور ہندی یعنی آریائی اور سامی دونوں خاندانوں کی زبانوں سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اس میں انگریزی سے لے کر علاقائی زبانوں تک کی ساری زبانیں اس طرح سما گئی ہیں کہ وہ دنیا کی تقریباً ہر زبان کا مجموعہ بن گئی ہے۔ ہر اردو جاننے والا عربی، فارسی، ہندی اور انگریزی کو ان کے حقیقی تلفظ کے ساتھ بول سکتا ہے۔ اس لئے کہ ان میں سے ایک آواز بھی ایسی نہیں جو اردو میں موجود نہ ہو یا جس کو ادا کرنے پر اردو داں طبقہ قادر نہ ہو۔ گویا جس طرح اردو اپنے ذخیرہ الفاظ اور صرف و نحو کے اصول کے لحاظ سے ایک مخلوط زبان ہے اسی طرح اس کا رسم الخط بھی مخلوط ہے وہ دائیں سے بائیں کو لکھی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ عربی و فارسی رسم الخط سے بہت قریب ہے لیکن اردو کے رسم الخط کو عربی یا فارسی کا رسم الخط خیال کرنا درست نہ ہوگا۔ اردو کے حروف تہجی میں ہندی اور انگریزی کی ایسی آوازیں بھی شامل ہیں جو عربی فارسی میں نہیں

ہیں۔ ان آوازوں کی تعداد ایک دو نہیں خاصی ہے مثلاً

ڈ، ٹ، ڑ، بھ، تھ، ٹھ، کھ، جھ، دھ وغیرہ کی آوازیں نہ عربی میں ہیں نہ فارسی میں ظاہر ہے کہ عربی و فارسی داں حضرات کو ان آوازوں کے نکالنے اور ہندی یا انگریزی کو صحیح تلفظ کے ساتھ لکھنے پڑھنے میں سخت مشکل ہوگی۔ لیکن اردو داں افراد کو کسی زبان کے سیکھنے یا اُسے لکھنے پڑھنے میں بہت آسانی رہے گی۔ نتیجتاً کہنا پڑتا ہے کہ اردو کا رسم الخط ہے اور اس کی وسعت ساری زبانوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

سر ولیم جونسز کہا تھا کہ۔

"مکمل زبان وہ ہے جس میں ہر وہ خیال جو انسانی دماغ میں آسکتا ہے نہایت صفائی اور زور کے ساتھ ایک مخصوص لفظ کے ذریعے ظاہر کیا جاسکے خیالات اگر سادہ ہوں تو الفاظ بھی سادہ، اور اگر خیالات مشکل ہوں تو وہ بھی مشکل، اس طرح مکمل رسم الخط وہ ہے جس میں اس زبان کی ہر آواز کے لئے ایک مخصوص نشان ہو۔"

رسم الخط کی اس تعریف پر اردو کا رسم الخط پورا اترتا ہے۔

اردو رسم الخط کی جامعیت و ہمہ گیری سے قطع نظر اس کا بڑا وصف یہ بھی ہے کہ وہ ناگری اور انگریزی رسم الخط کے مقابلے میں جگہ بہت کم لیتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وقت اور کاغذ دونوں کی بچت ہوتی ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ وہ دیکھنے میں دیدہ زیب ہے۔ انگریزی اور ہندی زبانوں کے حروف کے ساتھ اردو حروف پر ایک نظر ڈالیئے تو اندازہ ہوگا کہ سادگی کے ساتھ اردو کے حروف نگاہ کے لئے ایک خاص قسم کی کشش رکھتے ہیں۔ چوتھی خوبی یہ ہے کہ اردو میں اعراب کی ضرورت نہیں پڑتی۔ رومن میں A، E، I، O، U کے حروف زیر، زبر اور پیش کی آواز کے لئے جگہ جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ یہی حال ناگری یا ہندی رسم الخط کا ہے۔

अ، आ، इ، ई، उ، ऋ، ए، ऐ، ओ، औ وغیرہ اور ان کی ماترائیں اعراب کی حرکتیں پیدا کرتی ہیں۔ چنانچہ جگہ جگہ ان حروف اور ان کی علامتوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ اردو میں آسانی یہ ہے کہ اعراب کے لئے الگ سے حروف نہیں بلکہ اعراب کا کام

زیر، زبر، پیش کے مختصر نشانات سے لیا جاتا ہے۔ اس کی ضرورت بھی کچھ دنوں کے لئے رہتی ہے بعد کو جب مشق بہم پہنچائی جاتی ہے تو ان نشانات کی بھی ضرورت نہیں رہتی جملے کی ساخت اور مفہوم کے لحاظ سے ہر لفظ کے اعراب خود بخود ذہن میں ابھر آتے ہیں یہ اردو کا ایسا وصف ہے جو دوسری زبانوں میں بہت کم نظر آتا ہے۔

پانچویں امتیازی بات یہ ہے کہ اردو رسم الخط دائیں سے بائیں کو لکھا جاتا ہے اور اس کے حروف اور ان کی آوازیں عربی و فارسی سے بہت قریب ہیں۔ یہ قربت اردو والوں کو عربی اور فارسی سیکھنے میں مدد دیتی ہے۔ عربی و فارسی والے بھی بہ آسانی اردو میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں عربی و فارسی سے ہمارا جو ثقافتی اور تہذیبی اور اسلامی و دینی رشتہ ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اردو کا رسم الخط ان رشتوں کو استوار کرنے میں معاونت کرتا ہے۔ اس طرح کی کتنی باتیں اردو رسم الخط کی خصوصیات میں شمار کی جاسکتی ہیں۔ لیکن ان اوصاف کے باوجود اردو رسم الخط پر اعتراض کئے گئے خاص اعتراضات یہ تھے

۱۔ اردو رسم الخط میں حروف تہجی کی تعداد دوسری زبانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے اس لئے اس کا سیکھنا اور سکھانا بہت مشکل ہے۔ اس کے برعکس دوسری زبانوں کے حروف تعداد میں بھی کم ہیں اور لکھنے میں بھی سادہ ہیں اس لئے بچے ان میں جلد مہارت حاصل کر لیتے ہیں۔

۲۔ اردو کے حروف کئی شکلیں بدلتے ہیں۔ کبھی پورے لکھے جاتے ہیں کبھی آدھے اور کبھی کبھی صرف ان کا چہرہ بنا دیا جاتا ہے۔ یہ تبدیلی، اردو لکھنا، پڑھنا سکھانے میں حارج ہوتی ہے۔ اور اردو پر قابو پانے کے لئے دوسری زبانوں کے مقابلہ میں زیادہ وقت ضائع ہوتا ہے۔

۳۔ اردو میں ہم صوت یعنی ایک ہی قسم کی آواز رکھنے والے حروف متعدد ہیں مثلاً ا۔ ع ت اور ط ث، س، ص۔ ذ۔ ز۔ ظ، اور ض، ح اور ہ وغیرہ یہ آوازیں لکھنا سکھانے میں خاص طور پر الجھن پیدا کرتی ہیں۔ طلبا کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ کونسا لفظ "ث" سے لکھیں کونسا "س" سے اور کونسا "ص" سے چنانچہ املا کی غلطیاں ایک عرصہ تک ان سے سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ اور وہ اس پر بمشکل قابو حاصل کر پاتے ہیں۔

۴۔ اردو میں اعراب کی دشواریاں ہیں۔ یہاں ناگری اور رومن کی طرح زیر زبر پیش، کے لئے حروف نہیں ہیں۔ صرف قیاس سے زیر، زبر، پیش لگا کر کام چلایا جاتا ہے۔ یہ چیز تلفظ اور املا کے تعین میں مشکلات پیدا کرتی ہے۔

۵۔ اردو رسم الخط میں بہت سے حروف لکھے جاتے ہیں لیکن پڑھے نہیں جاتے مثلاً خواب، خواہش کو "خاب" اور "خاہش" بولا جاتا ہے اور "و" کی آواز کہیں ظاہر نہیں ہوتی۔ لکھنے میں یا املا میں اس کا لانا ضروری ہے یہی حال "عبدالرشید" اور فی الحقیقت" وغیرہ کے الفاظ کا ہے۔

یہ سارے اعتراضات، فارسی اور عربی رسم الخط پر بھی وارد ہو سکتے ہیں۔ اس لئے کہ اردو زبان کا رسم الخط ان دونوں سے بہت قریب ہے۔ صرف بعض آوازیں اور ان کے نشانات یعنی حروف کی تعداد تو اردو میں زیادہ ہے لیکن جہاں تک جوڑ، شوشہ، مرکز، کشش اور دائروں کا سوال ہے۔ وہ بالکل ایک جیسے ہیں۔ تینوں زبانیں دائیں سے بائیں بالکل ایک ہی ڈھب سے لکھی جاتی ہیں۔ تینوں میں خط نسخ اور نستعلیق سے کام لیا جاتا ہے، اور سب میں ٹائپ و طباعت کے مسائل ایک جیسے ہیں لیکن آج تک کسی نے فارسی یا عربی رسم الخط کو ناقص بتانے کی ہمت نہیں کی۔ خود ایرانی اور عربی علمائے زبان نے اس قسم کا خیال ظاہر نہیں کیا۔ کہ ان کے رسم الخط کے سبب فارسی اور عربی کی ترقی رکی ہوئی ہے۔ بلکہ عملاً یہ دیکھنے میں آرہا ہے کہ عربی اور فارسی کی کتابیں خوبصورت ٹائپ اور نستعلیق میں اعلیٰ درجے کی طباعت کے ساتھ منظر عام پر آرہی ہیں اور مقبول ہورہی ہیں۔ کسی نے رسم الخط کو کتابوں کی اشاعت میں حائل قرار نہیں دیا۔ پھر آخر اردو رسم الخط ہی کو اعتراضات کا نشانہ کیوں بنایا گیا؟ صرف اس لئے کہ ہندوؤں کو ہندی کے نام سے اپنی قومی زبان کو فروغ دینا اور اردو کو ختم کرکے مسلمانوں نے ثقافتی آثار کو برصغیر سے ختم کرنا تھا۔ پھر بھی آیئے سارے اعتراضات کا ایک ایک کرکے جائزہ لیں اور دیکھیں کہ معترضین اپنے موقف میں کس حد تک حق بجانب ہیں۔

۱۔ پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اردو میں حروف تہجی کی تعداد زیادہ ہے اور ان کا

کا سیکھنا سکھانا آسان نہیں ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ حروف کی تعداد دوسری زبانوں کے مقابلے میں زیادہ ہے لیکن یہ چیز اردو کی سرشت اور مزاج کے مطابق ہے۔ بتایا جا چکا ہے کہ اردو ایک مخلوط زبان ہے۔ اس کا خمیر مختلف زبانوں اور بولیوں کی مدد سے تیار ہوا ہے۔ اس نے علاقائی زبانوں کے علاوہ عربی، فارسی اور ہندی کا بہت گہرا اثر قبول کیا ہے، یہ اثر الفاظ پر بھی ہے اور اصوات یعنی حروف پر بھی۔ اس نے فارسی کے خاص حروف پ، گ، ژ کو، عربی کے خاص حروف ث، خ، ذ، ض، ط، ظ، ع، وغیرہ کو اور سنسکرت و ہندی کے خاص حروف ڈ۔ ڑ، تھ، ٹھ، پھ اور جھ وغیرہ کو بھی اپنے اندر جذب کر لیا ہے اور اسی جذب و اخذ کی بدولت اسے بین الاقوامی مزاج ملا ہے، اس مزاج کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ عربی، فارسی اور ہندی وغیرہ کی ساری آوازوں کی متحمل ہے۔ اگر آوازوں کی یہ کثرت اردو رسم الخط میں نہ ہوتی تو اس کا مزاج وہ نہ ہوتا جو آج ہے۔

ایسی صورت آواز یا حروف کی کثرت کو اس کا عیب نہیں ہنر کہنا چاہیئے۔ اسی ہنر کی بدولت تو اسے قبول عام نصیب ہے اگر اس میں یہ ہنر نہ ہوتا تو وہ اب تک زندہ نہ رہتی کب کی مر گئی ہوتی اس لئے کہ اسے عربی و فارسی یا ہندی و انگریزی کی طرح کبھی سرکاری سرپرستی حاصل نہیں رہی بایں ہمہ اس نے ترقی دوڑ میں بہت سی زبانوں کو پیچھے چھوڑ دیا یہ گویا عملاً اس بات کا ثبوت ہے کہ رسم الخط نے کبھی اس کی راہ میں روڑا نہیں اٹکایا بلکہ اس کی بدولت دوسری زبان کے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اب رہ گئی سادگی اور سہل الحصول ہونے کی بات تو سب جانتے ہیں کہ بچوں کو لکھنا سکھانے کے سلسلے میں جو بڑی دقت پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ حروف کے نشانات کے مطابق ان کی انگلیاں آسانی سے نہیں چلتیں، ایک ایک حرف کو بار بار ان سے لکھوایا جاتا ہے تب کہیں جا کر وہ اس کے بنانے پر قابو حاصل کر پاتے ہیں۔ ماہرینِ تعلیم نے اسی دقت کے پیش نظر یہ مشورہ دیا ہے کہ بچوں سے ابتدا میں چاک سے سیدھی سادی لکیریں کھنچوائی جائیں اور ہاتھ رواں ہو جانے کے بعد ان کی توجہ حروف تہجی کی طرف مبذول کرائی جائے اس بنیادی اصول کو ذہن میں

رکھ کر ہندی وانگریزی اور اردو کے چند حروف پر ایک ساتھ نظر ڈالئے۔

انگریزی	ہندی	اردو
A	अ	ا
B	ब	ب
K	क	ک
D	ड	ڈ
F	फ	ف

ان حروف کو بچوں سے لکھوائیے اور خود لکھ کر دیکھئے۔ مجھے یقین ہے کہ اردو حروف ہندی وانگریزی کے مقابلے میں آسان ثابت ہوں گے اور کم وقت اور کم جگہ میں بنائے جائیں گے۔ یہاں ایک اور پہلو کی وضاحت ضروری ہے۔ اردو میں حروف تہجی کی تعداد زیادہ سہی لیکن تعداد کی زیادتی کے باوجود ان کا بنانا اور ان پر قابو پالینا آسان ہے۔ نیچے لکھے ہوئے حروف ذرا غور سے دیکھئے۔

۱۔ ا
۲۔ ب، پ، ت، ٹ، ث
۳۔ ج، چ، ح، خ
۴۔ د، ڈ، ذ
۵۔ ر، ڑ، ز، ژ
۶۔ س، ش
۷۔ ص، ض
۸۔ ط، ظ
۹۔ ع، غ
۱۰۔ ق
۱۱۔ ک، گ
۱۲۔ ل
۱۳۔ م
۱۴۔ ہ
۱۵۔ ی

ان میں صرف پندرہ شکلیں بنیادی ہیں اگر بچہ ان پندرہ حروف پر قابو پا جائے تو وہ ان کی مدد سے سارے دوسرے حروف خود بخود بنا لے گا۔ اس لئے کہ باقی حروف نقطوں یا مرکز کے اضافے سے بن جاتے ہیں۔ جو بچہ "ب" لکھ سکتا ہے وہ اس سلسلے کے سارے

حروف بنائے گا اور پہلے ہی دن یہ محسوس کرلے گا کہ وہ استاد کی مدد کے بغیر اپنی طرف سے بہت کچھ کرلیتا ہے۔ حروف کے سارے مندرجہ بالا سلسلے اسی نوعیت کے ہیں۔ ان کا پہلا حرف سکھایا جاتے۔ تو باقی حروف بچے خود بنالیں گے۔ ایسی صورت میں محض تعداد کی بنیاد پر یہ کہنا کہ اردو کے حروف تہجی کا سکھانا مشکل ہے صحیح نہیں ہے۔ اردو کے حروف بناوٹ کے لحاظ سے حد درجہ سادہ اور اشکال کے اعتبار سے ناگری اور انگریزی سے بھی تعداد میں کم ہیں اور ایک اچھا استاد چند دن میں سارے حروف بچوں کے ذہن نشین کراسکتا ہے۔

۲۔ اردو رسم الخط پر دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حروف کتنی کتنی شکلیں بدلتے ہیں اس لئے ان کے پہچاننے اور لکھنے میں دشواری ہوتی ہے۔ یہ اعتراض بھی غور و فکر کا نتیجہ نہیں بلکہ رسم الخط کی ظاہری صورت کو دیکھ کر وارد کردیا گیا ہے۔ اردو میں حروف یقیناً اپنی شکلیں بدلتے ہیں مثلاً مندرجہ ذیل لفظوں کو دیکھئے۔

باسط	طبیب	رباب
لباس	سامان	تسلیم
قلم	عقل	اخلاق

ان میں "ب" اور "ق" کی شکلوں پر غور کیجئے لفظ کے آخر میں پورا حرف آیا ہے۔ یعنی اصل شکل میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ لفظ کے آغاز اور وسط میں شکل بدلی ہے۔ لیکن یہ تبدیلی دونوں جگہ ایک سی ہے، گویا حروف نے صرف ایک شکل بدلی ہے۔ پھر یہ تبدیلی ایسی بھی نہیں کہ حرف پہچاننے یا اس کے بنانے میں دقت ہو۔ پچھلے صفحات میں کسی جگہ اس کی وضاحت کی جاچکی ہے کہ اردو کے حروف افراد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ افراد اپنے چہرے سے پہچانے جاتے ہیں۔ جسم سے نہیں۔ اگر چند آدمی اپنے اپنے سر ڈھانپ کر سامنے آجائیں تو ان کا پہچاننا مشکل ہوگا۔ عدالتوں میں ملزمان کی شناخت کے لئے پریڈ ہوتی ہے۔ اصل ملزمان چند دوسرے افراد کے ساتھ سامنے لائے جاتے ہیں۔ گواہان سے نشاندہی کرنے کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ ملزمان اپنے چہروں میں خاصی تبدیلیاں کرکے پریڈ میں شامل ہوتے ہیں اس لئے گواہ انہیں اکثر شناخت کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ چہرے کی تبدیلی ایسی

چیز ہے۔ جو شناخت میں حارج ہو سکتی ہے لیکن اردو کے حروف کسی جگہ بھی اپنا چہرہ مسخ نہیں کرتے۔ اصل چہرے کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ خواہ انھیں لفظ کے شروع میں جگہ دی جائے یا وسط یا آخر میں۔ اوپر دیئے ہوئے الفاظ بطور مثال پیش کئے جا سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ کے ذریعہ بھی اس دعوے کی تصدیق کی جا سکتی ہے۔

یہ خیال بھی غلط ہے کہ سارے حروف شکلیں بدلتے ہیں۔ اردو کے حروف تہجی میں "

ا، د، ڈ، ذ، ر، ڑ، ز، ژ، ط، ظ، و

ایسے ہیں جو ہر صورت میں پورے لکھے جاتے ہیں۔ مندرجہ ذیل الفاظ پر نظر ڈالئے۔

۱۔	اسیر	تالاب	نانا
۲۔	دوڑو	کدورت	اولاد
۳۔	ڈول	کبڈی	ٹھنڈ
۴۔	ذکر	تذکرہ	کاغذ
۵۔	رشید	کرنال	افکار
۶۔	پیڑ	گڑبڑ	پہاڑ
۷۔	زہرہ	مزار	مرکز
۸۔	ژالہ	مژدہ	رپورتاژ
۹۔	طلب	مطلب	ربط
۱۰۔	ظاہر	مظہر	لفظ
۱۱۔	وحید	توحید	قابو

ہر گروہ کے لفظوں کے آغاز، وسط اور آخر میں جو حروف آئے ہیں وہ اپنی پوری شکل کے ساتھ آتے ہیں اور ذرا سی توجہ سے ان حروف کی شناخت کرائی ہے رہ گئے باقی حروف، ان کے متعلق بتایا جا چکا ہے کہ اصل چیز حروف کا چہرہ ہے۔ یہ چہرہ اردو میں ہمیشہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس لئے حرف کی شناخت میں دقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بعض حروف مثلاً۔

ب ۔ ن ، ک ، اور ع

جب کسی دوسرے حرف سے مل کر آتے ہیں تو ان میں معمولی سا تغیر ہوتا ہے مثلاً

بس	بط
نس	نص
کل	کا
بغدار	مغرب

اوپر "ب" اور "ن" کو "ل" کی شکل میں سن اور ص وغیرہ سے ملایا گیا لیکن نقطوں کے ذریعہ انھیں پہچان سکتے ہیں اس لئے کہ اردو میں "ن" کے سوا کوئی حرف ایسا نہیں جس کے اوپر ایک نقطہ آتا ہو یہی حال "ب" کا ہے کسی دوسرے حروف کے نیچے ایک نقطہ نہیں آتا۔ "ب" اور "ن" کی شکلوں کی یہ تبدیلی بھی صرف چند حروف کے ساتھ ہوتی ہے۔ باقی جگہوں پر وہ اصل چہروں ہی کے ساتھ آتے ہیں۔ ک اور گ "صرف "ل" اور "ا" سے مل کر قدرے بدل جاتے ہیں۔ "مرکز" کے ذریعے انہیں آسانی سے پہچانا جاسکتا ہے۔ رہ گئے ع اور غ میں نستعلیق ان میں تغیر واقع ہوتا ہے۔ نسخ میں یہ بھی پورے چہرے کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔ لیکن اس قسم کی معمولی تبدیلیاں ایسی نہیں جس کی بنا پر کہا جا سکے کہ اردو رسم الخط کا سیکھنا، سکھانا بہت مشکل ہے۔ اس سے کہیں زیادہ مشکلیں انگریزی حروف سیکھنے میں پیش آتی ہیں۔

انگریزی میں سب سے پہلے بچے کو اے سے لیکر زیڈ تک بڑے حروف (CAPITAI LETTER) لکھائے جاتے ہیں حالانکہ ان کا مصرف انگریزی میں صرف اتنا ہے کہ وہ کسی اسم معرفہ (PROPER NOUN) اور جملے (SENTENCE) کے آغاز میں بالعموم استعمال ہوتے ہیں۔ دو چار مقامات پر اور ان کا استعمال ہوتا ہے۔ لیکن یہ مقامات بھی اسم خاص اور جملے ہی کے تحت آجاتے ہیں۔ بڑے حروف (CPITAI LETTER) کے بعد، ان حروف سے بالکل مختلف شکل کے حروف یعنی A، B، C، D، E وغیرہ بنوائے جاتے ہیں جن کا پہلے قسم کے حروف سے ذرا بھی تعلق نہیں ہوتا، چنانچہ جتنا وقت پہلے حروف کے سکھانے میں صرف ہوگا۔ اتنا ہی ان کے

سکھانے میں لگے گا۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی، یہ حروف تو صرف لکھنے کے لئے سکھائے گئے ہیں۔ پڑھنے کے حروف ٹائپ میں مندرجہ بالا دونوں حروف سے الگ ہوں گے گویا جب تک کوئی شخص انگریزی کے چھبیس ۲۶ حروف کو تین طرح سے لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ وہ انگریزی حروف تہجی جاننے کا دعویٰ ہی نہیں کر سکتا۔

ذیل کے انگریزی حروف دیکھئے۔

A	a	a
B	b	b
D	d	d
E	e	e
F	f	f
G	g	g
H	h	h
I	i	i

اس سے ظاہر ہے کہ اکثر حروف کم از کم تین طرح اور بعض چار طرح سے لکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ جب تک کوئی آدمی انگریزی کے چھبیس ۲۶ حروف کو اٹھتر شکلوں میں پہنچانتا اور لکھنا نہ جانتا ہو۔ وہ انگریزی لکھنے پڑھنے کے لائق نہیں ہو سکتا۔ اب ذرا ناگری (ہندی) رسم الخط کو لیجئے۔ یہ سہل ترین رسم الخط سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ ہندی سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس میں بعض حروف اپنی کئی کئی شکلیں بدلتے ہیں۔ مندرجہ ذیل الفاظ دیکھئے۔

(کرشن)، कृष्ण (آدرش) आदर्श (سرکار) सरकार

(پرکاش) प्रकाश

ان لفظوں میں ہندی کا حرف र (ر) چار خاص شکلوں میں استعمال ہوا ہے اور ہر شکل ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی طرح ہندی میں الف کی آواز اور आ دو شکلوں میں

ظاہر کی جاتی ہے اور دونوں میں سے جس کو چاہیں استعمال کر سکتے ہیں۔ یعنی आदर्श (آدرش)
کو आदर्श کی شکل میں بھی لکھنا درست ہوگا۔

نون غنہ کی آواز بھی ہندی میں کئی شکلوں سے پیدا کی جاتی ہے۔ ان لفظوں کو دیکھئے۔

(چاند) चाँद (گنگا) गङ्गा (کرشنٹ) कृष्ण

ہر لفظ میں نون غنہ کی آواز الگ الگ شکلوں سے پیدا کی گئی ہے علاوہ ازیں جس طرح اردو میں
بعض حروف صرف اپنا چہرہ ظاہر کرتے ہیں۔ اسی طرح ہندی میں بھی حرف کا صرف ابتدائی
حصہ بتایا جاتا ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل الفاظ سے ظاہر ہے۔

(کچا) कच्चा (لٹو) लट्टू (کلن) कल्लन

یعنی اردو میں جہاں تشدید کا استعمال ہوتا ہے ہندی میں وہاں آدھا حرف لکھا جاتا ہے
لیکن ان کے علاوہ بھی ہندی میں آدھا حرف اکثر لکھا جاتا ہے اور مشکل یہ ہے کہ اس کا کوئی بھی
اصول مقرر نہیں ہے جیسے۔

(کشٹ) कष्ट (گند) गन्द
(ویاکل) व्याकुल (آتما) आत्मा
(شبد) शब्द (وغیرہ)

اس لئے حروف کی شکلوں میں بعض تبدیلیوں کا سہارا لے کر اردو رسم الخط کو ناقص بنانا
کسی طرح مناسب نہیں۔ اس قسم کی دشواریاں ناگری اور دوسری زبانوں میں اردو سے بھی زیادہ
ہیں۔

(س) تیسرا اعتراض اردو رسم الخط پر یہ وارد کیا جاتا ہے کہ اس میں ہم صوت (ایک ہی
قسم کی آواز والے) حروف املا میں الجھن پیدا کرتے ہیں اور یہ پتہ نہیں چلتا کہ کس لفظ کو
ث سے لکھا جائے اور کس لفظ کو س یا ص سے۔ بظاہر یہ اعتراض بہت وزنی ہے اور اردو میں
چند حروف ایسے ہیں جو ایک ہی قسم کی آواز رکھتے ہیں اور لکھتے وقت ان میں امتیاز کرنا کچھ عرصہ
تک نوآموز کے لئے مشکل ہوتا ہے یہ حروف مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ ا، ع

۲- ت ، ط

(۳) ث ، س ، ص

۴- ذ ، ز ، ژ ، ظ ، ض

۵- ح - ھ

ان میں سے ہر گروہ کی نمائندگی کے لئے ایک ایک حرف تو رکھنا ہی پڑے گا۔ صرف نو حروف یا ان کی آوازیں ایسی رہ جاتی ہیں جن کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ یہ اردو رسم الخط میں دِقت کرتی ہیں، لیکن یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ اردو ایک مخلوط اور بین الاقوامی مزاج کی زبان ہے اس میں جگہ جگہ کے اور بھانت بھانت کے الفاظ شامل ہیں۔ اس کا اصل رشتہ آریائی زبانوں سے ہے لیکن سامی خاندان خاص طور پر عربی کے بھی بکثرت الفاظ اس میں پائے جاتے ہیں۔ مختلف زبانوں میں کسی ایک چیز کے لئے ایک یا دو سے زیادہ الفاظ نہ ملیں گے لیکن اردو میں ایک ہی چیز کے لئے متعدد الفاظ موجود ہیں مثلاً "چاند" کا لفظ لے لیجئے اس کے لئے۔

چاند، چندا، چندر ما، قمر، ماہ، ماہتاب، ہلال، بدر وغیرہ سبھی استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح تارے کے لئے۔

تارہ، ستارہ، سیارہ، اختر، انجم، نجم، نجوم وغیرہ کے الفاظ مستعمل ہیں ظاہر ہے کہ جب الفاظ دوسری زبانوں سے آئیں گے تو وہ اپنی آوازیں بھی ساتھ لائیں گے۔ چنانچہ اردو میں جو بعض آوازوں کے کئی کئی حروف ملتے ہیں وہ اس کی فطرت اور مزاج کے عین مطابق ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اردو اپنے ذخیرۂ الفاظ کو اصل آوازوں کے ساتھ ادا کرنے سے قاصر رہتی۔ کامل اور بہترین رسم الخط وہ کہلاتا ہے جو ان ساری آوازوں کی نمائندگی کرتا ہے جو کسی خاص زبان کے بولنے میں نکالنی پڑتی ہیں۔ اردو رسم الخط کی خصوصیت یہی ہے کہ وہ اردو میں بولی جانے والی تمام آوازوں کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس بات کو ایک مثال سے سمجھنا آسان ہوگا۔ انگریزی میں

چ ، ڈ اور ش

کی آوازیں مستعمل ہیں، سینکڑوں ہزاروں الفاظ ہیں جن میں یہ آوازیں آتی ہیں۔ مثلاً

۱- FUTURE : PICTURE : MATCH? CHAPTER وغیرہ

۲- THOSE : THIS : THAT وغیرہ

۳- ADMISSION? SHE : MOTION

لیکن چ ،ذ، ژ اور ش کی آوازوں کے لئے کوئی حرف مقرر نہیں ہیں۔ حالانکہ یہ آوازیں طرح طرح سے پیدا کی جاتی ہیں ظاہر ہے کہ یہ کسی رسم الخط کا کھلا ہوا نقص ہے۔ اردو رسم الخط اس نقص سے پاک ہے۔ وہ ساری مستعمل آوازوں کے لئے مستقل حروف رکھتا ہے۔ اس خوبی کے نتیجے میں یہ ضرور ہوا کہ بعض آواز کے لئے کئی کئی حروف داخل ہو گئے ہیں لیکن اردو میں ہم صوت حروف زیادہ نہیں صرف تیرہ ہیں۔ ان تیرہ کو ہم نے اوپر پانچ گروہوں میں تقسیم کیا ہے ہر گروہ سے ایک ایک حرف تو رکھنا ہی پڑے گا۔ چنانچہ صرف نو حروف ایسے رہ جاتے ہیں جن کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ املا میں مغالطہ پیدا کرتے ہیں۔ لیکن اس قسم کا مغالطہ پیدا کرنے والے حروف دوسری زبانوں میں اردو سے بھی زیادہ ہیں۔ انگریزی زبان میں تو آوازوں کا کوئی نظام ہی نہیں ہے نشانات کچھ ہیں آوازیں کچھ نکلتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس زبان کے املا (SPE ING) اور تلفظ (PRONUNCIATION) پر قابو پانا سخت مشکل ہے جب تک ہر لفظ کے معنی کے ساتھ اس کا املا بھی اچھی طرح ذہن میں محفوظ نہ ہو لکھنا مشکل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ شروع ہی سے اس کے معنی کے ساتھ اسپیلنگ بھی رٹائی جاتی ہے جس شخص کو جتنے لفظوں کی اسپیلنگ یاد ہوگی۔ عام طور پر وہ اتنے الفاظ لکھنے پر قادر ہوگا۔ تجربہ بتاتا ہے کہ انگریزی کے الفاظ جو ہمارے استعمال میں آتے ہیں صرف ان ہی کی اسپیلنگ ہمیں یاد رہتی ہے اور انھیں کو ہم آسانی سے لکھ سکتے ہیں۔ باقی الفاظ کے املا میں ہمیں بار بار ڈکشنری کی ضرورت ہوتی ہے۔ انگریزی ڈکشنری میں ہر لفظ کے ساتھ ان کا تلفظ (PRONUNCIATION) اسی لئے تو لکھا جاتا ہے کہ لفظ میں جو حروف استعمال ہوتے ہیں، ان کے متعلق یہ معلوم کر لینا کہ وہ کس قسم کی آواز پیدا کریں گے بہت مشکل ہوتا ہے۔ چند مثالیں دیکھئے۔

۱- انگریزی میں "س" کی آواز کے لئے بظاہر ایس کا حرف استعمال ہونا چاہیئے اور

اکثر ہوتا ہے جیسا کہ SENSE. SEE. SUN میں لیکن RECEIPT اور (CENTRE) میں "س" کی آواز "C" سے پیدا کر لی گئی ہے۔

۲- "ش" کی آواز بظاہر SH سے پیدا کی جاتی ہے جیسا کہ SHOE : SHE : CASH سے ظاہر ہے لیکن "ش" کی آواز اس کے علاوہ بھی متعدد طریقوں سے پیدا کی جاتی ہے۔ مندرجہ ذیل لفظوں کو دیکھئے۔

۱-	ADMISSION	(آڈمیشن)
۲-	TUITION	(ٹیوشن)
۳-	PATIENT	(پیشنٹ)
۴-	OCEAN	(اوشن)
۵-	SURE	(شور)
۶-	MACHINE	(مشین)
۷-	RRESURE	(پریشر)
۸-	FASHION	(فیشن)
۹-	SCHEDULE	(شڈول)

جس شخص کو یہ بتایا گیا ہو کہ "ش" کی آواز "SH" سے پیدا ہوتی ہے وہ کس قیاس پر سمجھ لے گا مندرجہ بالا لفظوں میں "ش" کی آواز کن کن حروف سے پیدا ہو گی چنانچہ جب تک اسپیلنگ رٹی ہوئی نہ ہو ان الفاظ کا لکھنا محال ہے۔ اگر اس طرح کے ایک دو لفظ ہوتے تو کوئی بات نہ تھی۔ ہزار ہا الفاظ ہیں جن میں یہ دشواری پیدا ہو گی۔

۳- "ک" کی آواز کے لئے K اور Q حروف موجود ہیں۔ اس کے باوجود TACT, CAT میں "ک" کی آواز "C" سے ظاہر کی گئی ہے۔

۴- "ز" کی نمائندگی کے لئے "Z" موجود تھا لیکن HAS اور PLEASE میں ز کی ادائیگی S کی مدد سے پیدا کی گئی ہے۔

۵- "ف" کی آواز صرف الیف (F) سے نہیں بلکہ PH اور OUGH سے بھی ظاہر کی

جاتی ہے جیسے R O U G H اور PROPHET میں۔

۶- "ج" کی آواز کی نمائندگی G اور J دونوں حرف کرتے ہیں جیسے JUDGE اور GENERAL میں۔

۷- "چ" کی آواز کے لئے کوئی حرف موجود نہیں ہے پھر بھی کبھی CH سے اور کبھی (TURE) سے اسے ظاہر کیا جاتا ہے مثلاً PICTURE & MATCH وغیرہ ہیں۔

اس طرح کی اور نہ جانے کتنی باتیں ہیں جو انگریزی رسم الخط کے بارے میں کہی جا سکتی ہیں سب جانتے ہیں کہ انگریزی میں حروف سے آواز کا کچھ زیادہ تعلق نہیں ہوتا اسی لئے کسی خاص لفظ میں جو حروف استعمال ہوتے ہیں انھیں حافظے میں رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ حروف اور آوازوں کی ایسی بدنظمی شاید کسی اور زبان میں پائی جاتی ہو سیکڑوں الفاظ ہیں جن میں حروف لکھے جاتے ہیں لیکن آواز نہیں دیتے جیسے MATCH میں اور KINIFE میں K یہ چیزیں عام طور پر ایسی الجھن پیدا کرتی ہیں کہ ہر لفظ کی اسپیلنگ پر قابو پائے بغیر انگریزی کے دو جملے بھی بچّہ نہیں لکھ سکتا۔ بایں ہمہ کسی طرف سے کبھی یہ آواز بلند نہیں کی گئی کہ انگریزی کا رسم الخط بہت مشکل ہے اور اس مشکل کے سبب اس کی ترقی رکی ہوئی ہے۔

اوپر ہم صوت حروف کی دقتوں کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ دقتیں کم و بیش دنیا کی ہر زبان میں موجود ہیں بطور مثال ہندی کو لے لیجئے۔ اس میں بھی بعض آواز کے لئے کئی کئی نشانات سے کام لیا جاتا ہے۔

(۱) ش کی آواز کے لئے श اور ष

(۲) نون غنہ کے لئے ँ ं

(۳) ت کی آواز کے لئے त اور त्र

اسی طرح "رہ" کی آواز کیلئے متعدد نشانات ان کی مثالیں پچھلی سطور میں دی جا چکی ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں چند ہم صوت حروف کی بنیاد پر اردو رسم الخط کو ناکارہ

بتانا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

۴۔ اردو رسم الخط کی چوتھی کمزوری یہ بتائی جاتی ہے کہ اس میں اعراب کا تعین کرنا مشکل ہے کسی لفظ کا تلفظ کرتے وقت یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ کس جگہ زیر پڑھا جائے اور کس جگہ زبر یا پیش منصور کیا جائے اس لئے کہ اردو میں اعراب کے نشانات زیر، زبر، پیش بہت کم استعمال ہوتے ہیں یہ صحیح ہے کہ ایک خاص منزل تک اس سلسلے میں دقت ہوتی ہے لیکن تھوڑی سی مشق کے بعد اس پر قابو اس لئے پا لیا جاتا ہے کہ تلفظ کا تعلق لکھنے سے اتنا نہیں جتنا بولنے سے ہے۔ اگر صحیح تلفظ کے ساتھ کوئی شخص اردو بولتا ہے تو اسی قیاس پر وہ اردو لکھے گا، اور صحیح لکھے گا۔ پڑھنے کی بھی یہی صورت ہے جن الفاظ کے تلفظ سے لوگوں کے کان آشنا ہیں۔ ان الفاظ کو پڑھنے میں وہ کوئی خاص الجھن محسوس نہ کریں گے۔

اردو رسم الخط کا خاص وصف یہ ہے کہ اس میں حروف علت صرف تین ا، و، ی ہیں یہ بھی اعراب کا کام کرتے ہیں۔ لیکن ان کیلئے زیادہ تر زیر، زبر، پیش کے معمولی نشانات بطور اعراب استعمال ہوتے ہیں۔ اس سے یہ فائدہ ہے کہ اردو تحریر جگہ بہت کم گھیرتی ہے۔ اردو کے برعکس ہندی میں جگہ جگہ منترائیں، اوپر کی لکیریں اور پائیاں لگانے کے لئے بار بار ہاتھ اٹھانا پڑتا ہے اور حروف جگہ بھی خاصی گھیرتے ہیں، جگہ زیادہ لینے کا مطلب یہ ہوا کہ وقت بھی زیادہ لگتا ہے۔ انگریزی میں کہنے کو تو A - E - I - O - U ، Y کو حروف علت کہا جاتا ہے اور اعراب کی علامت طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن عملاً انگریزی تحریر میں ان کی صورت کچھ ایسی ہوتی ہے کہ کوئی قیاس کام نہیں کرتا اور صحیح تلفظ تک پہونچنا مشکل ہوتا ہے، ہند الفاظ بطور مثال دیکھئے۔

۱۔ SHOOT : GOOD

۲۔ READ : RED

۳۔ PUT : SHUT ; UNITY : UGLY

۴۔ SIR : PIN

۵۔ ESCAPE : EARLY

۱۶۔ ICE : EYE

۱۷۔ YES : BY

ان الفاظ میں C ، E ، A ، I اور Y کی آوازوں پر غور کیجئے۔ نہ کوئی اصول ہے نہ کوئی تنظیم، ایک ہی حرف کی ایک ہی آواز کہیں زیر کی کا کام دے رہی ہے۔ کہیں زبر کا اور کہیں پیش کا۔ ایک ہی حرف کہیں کھینچکر پڑھا جاتا ہے کہیں یونہی اور کہیں سرے سے خاموش ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں یہ خیال کرنا کہ انگریزی الفاظ کا تلفظ متعین کرنا آسان ہے صحیح نہ ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ حروف کی آوازیں جس بے ربطی اور بے معنویت کے ساتھ انگریزی رسم الخط میں استعمال ہوتی ہیں مشکل سے کسی دوسری زبان میں نظر آئیں گی۔ اردو رسم الخط اس سے ہزار گنا بہتر ہے۔ اس میں اعراب کی ایسی دشواریاں نہیں ہیں کہ لکھنا پڑھنا مشکل ہو۔

۵۔ پانچواں اعتراض یہ ہے کہ اردو میں بعض حروف آواز نہیں دیتے پھر بھی لکھے جاتے ہیں۔ جیسے خواہش "کی "و" اور الرشید میں "ا۔ ل" معترضین کو جاننا چاہیئے کہ اردو میں اس قسم کے الفاظ کی تعداد کثیر نہیں ہے تھوڑے سے الفاظ ہیں جو اس زمرے میں آتے ہیں۔ حروف تو صرف دو یا تین ہیں۔ جہاں تک "ا ل" کے آواز دینے یا نہ دینے کا تعلق ہے اس کے متعلق اگر حروف شمسی اور حروف قمری کی تقسیم چند مثالوں کے ذریعے طلبہ کو سمجھا دی جائے تو پھر یہ دقت خود بخود دور ہو جائے گی، بات یہ ہے ال کا استعمال صرف عربی ترکیب میں ہوتا ہے اور عربی ہی کے اصولوں کے مطابق وہ بولے اور پڑھے جاتے ہیں۔ لیکن انگریزی میں تو آواز نہ دینے والے (SILENT) حروف بے شمار لفظوں میں آتے ہیں اور ایک نہیں کئی کئی آتے ہیں جیسے (COMMITTEE) اور (HIGH) میں بایں ہمہ اس میں دشواری محسوس نہیں کی جاتی، پھر محض چند الفاظ کی بنا پر اردو رسم الخط کو مورد الزام کیوں گردانا جائے؟

ان تفصیلات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک زبان کا رسم الخط دوسری زبان پر منطبق نہیں ہو سکتا اور نہ پختہ و مقبول ہو جانے کے بعد کسی زبان کا رسم الخط غیر ضروری اصلاحات

ترمیمات کو قبول کر سکتا ہے اور اگر اس میں کسی سبب سے تبدیلیاں لائی گئیں تو اپنے وجود کو من وعن قائم نہ رکھ سکے گی اور اس کا سرمایہ تباہ ہو جائے گا۔

پھر بھی بعض لوگوں کی طرف سے اردو رسم خط میں اصلاح و تبدیلی کی تجویزیں پیش کی گئیں آیئے دیکھیں یہ تجویزیں کیا تھیں اور انھیں قبول کر لینے سے اردو کو کیا نفع یا نقصان پہنچ سکتا تھا۔

اردو رسم الخط کے سلسلے میں ایک اصلاحی تجویز یہ پیش کی گئی تھی کہ اس میں لکھنے کے عمل کو صوتی بنیادوں پر قائم کیا جائے یعنی کسی لفظ کے بولنے میں جو آوازیں نکلتی ہیں صرف انھیں کا لحاظ رکھ کر اس لفظ کو لکھا جائے اور غیر ضروری آوازوں کو تحریری عمل سے خارج کر دیا جائے مثالیں یہ دی گئیں کہ

۱۔ ہما اور شمع میں ا اور ع کی آوازیں

۲۔ تالاب اور طالب میں ت اور ط کی آوازیں۔

۳۔ سالم، ثابت اور صادق میں ث، س اور ص کی آوازیں

۴۔ حاصل اور ہاتھی میں ح اور ہ کی آوازیں۔

۵۔ ذاکر، زائر، ظاہر، ضامن میں ذ، ز، ض، اور ظ کی آوازیں۔

ایک سی ہیں عربی والوں کے نزدیک ان آوازوں میں فرق ہو تو ہو، اردو والے ان آوازوں میں کوئی فرق نہیں کرتے، ایک ہی طرح بولتے ہیں، اس لئے ان آوازوں کی ترجمانی کے لئے ہر گروہ سے صرف ایک ایک حرف کو لے لینا چاہیئے یعنی

۱۔ ا، ع

۲۔ ت۔ ط

۳۔ س، ث، ص

۴۔ ز، ذ، ظ، ض

۵۔ ہ، ح

میں سے صرف ا، ت، س، ز، ہ کو لے لیا جائے باقی آٹھ حروف یعنی ع،

ط، ظ، ث، ص، ذ، ط، ض اور ح کو اردو رسم الخط سے خارج کر دیا جائے اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اردو املا کی وہ دقتیں ختم ہو جائیں گی جو آوازوں کی کثرت کے سبب محسوس ہوتی ہیں اور اردو کی ترقی کی رفتار تیز ہو جائے گی۔

اوپر جن حروف کو حروف تہجی سے خارج کر دینے کی تجویز پیش کی گئی ہے وہ تعداد میں صرف آٹھ ہیں۔ گویا ان آٹھ آوازوں میں التباس کے سبب اردو املا میں دشواری پیدا ہوتی ہے۔ حالانکہ پچھلی سطور میں ہم بتا چکے ہیں کہ آوازوں کا سب سے خراب نظام انگریزی میں ہے اور جب تک لفظ کے ہجے پوری طرح رٹی ہوئی نہ ہو کوئی شخص انگریزی لکھ ہی نہیں سکتا۔ اس کے باوجود انگریزی برابر ترقی کرتی جا رہی ہے اور کسی ایک فرد نے کبھی یہ آواز نہیں اٹھائی کہ انگریزی کے رسم الخط کو بدل دیا جائے۔ لیکن بعض نے اردو کے مندرجہ بالا آٹھ حروف اور ان کی آوازوں سے بڑی الجھن محسوس کی اور ان آوازوں کو اردو رسم الخط سے خارج کر دینے کی کوشش کی گئی اس سلسلے میں ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اردو ایک مخلوط زبان ہے۔ اور اس نے کم و بیش دنیا کی ہر زبان سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اس پر ہندی، فارسی اور عربی کا بہت گہرا اثر پڑا ہے۔ یہ اثر اس کے رسم الخط پر صاف نظر آتا ہے۔ علاوہ ازیں کوئی قومی زبان صرف اس غرض سے نہیں پڑھائی جاتی کہ اس قوم کے بچے اس میں صرف شدھ بدھ پیدا کر کے ڈبل روٹی کما سکیں، یقیناً یہ بھی ایک مقصد ہے لیکن جیسا کہ اس سے پہلے بھی اس پر روشنی ڈالی جا چکی ہے قومی زبان کی تدریس کا ایک اعلیٰ مقصد ہے اور وہ یہ کہ جو بچے آج اردو پڑھ رہے ہیں انھیں میں سے کوئی آگے چل کر اعلیٰ درجے کا ڈاکٹر، انجینئر، ماہر قانون، ریاضی داں، سائنسداں، عالم ادب، عالم زبان، ماہر لسانیات، محقق اور نقاد بن سکے۔ ان میں سے کئی حیثیتیں ایسی ہیں جن کے لئے اسے اردو کا غائر مطالعہ کرنا ہوگا، اس کے حروف اس کے نظام صوتیات اور اس کے دخیل الفاظ سب کا حقیقی جائزہ لینا پڑے گا۔ اس کام کے لئے اردو کا موجودہ رسم الخط ہی مفید مطلب ہوگا یہ مانا کہ اردو میں

ع - ط، ث، ص، ز، ظ، ض، ت

کی آوازیں (جنھیں خارج کر دینے کا مشورہ دیا جاتا ہے) شروع میں بعض الفاظ کے املا میں طلبہ کے لئے الجھن کا سبب بن سکتی ہیں۔ لیکن اگر بچوں کو ابتدائی اور ثانوی منزل ہی میں یہ بات بتا دی جائے کہ یہ حروف خاص عربی کے ہیں اور اردو میں استعمال ہونے والے الفاظ میں سے کسی میں بھی ان میں سے کوئی حرف نظر آئے تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ لفظ عربی سے اردو میں آیا ہے اس سے آگے چل کر زباندانی اور اردو کے لسانی مطالعے میں انہیں خاصی مدد مل جائے گی۔

اور اردو الفاظ کی شناخت کے ساتھ ساتھ الفاظ کے معنی تک پہنچنے میں بھی چنداں دقت نہ ہو گی۔ عربی کے ہر لفظ میں تین حرف بنیادی ہوتے ہیں۔ ان حرفوں کو اس لفظ کا مادہ کہتے ہیں۔ جس مادّہ سے کوئی لفظ بنتا ہے اس کا اس مادہ سے تعلق بہر حال باقی رہتا ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل الفاظ پر نظر ڈالئے۔

۱۔ علم، معلّم، تعلیم، تعلّم۔ معلمہ، معلوم۔ عالم، علیم۔ متعلم، علّام، علامہ، علوم۔

۲۔ عقل، عقیل، معقول۔ تعقل۔ عقیلہ، عاقل، عاقلہ، عقلیت۔

ان میں "ع" کی شمولیت سے بچّے سمجھ جائیں گے کہ یہ الفاظ اصلاً عربی کے ہیں۔ پہلے گروہ کے الفاظ میں "ع ل م" اور دوسرے گروہ کے الفاظ میں "ع، ق، ل" بنیادی حروف ہیں۔ چنانچہ اگر کسی طالب علم کو "علم" اور "عقل" کے معنیٰ بتا دیئے جائیں، یا اسے ان دونوں لفظوں کے معنی پہلے سے معلوم ہوں تو پھر وہ باقی الفاظ کے معنی تک خودبخود پہنچ جائے گا۔ گویا ایک لفظ کے ذریعے وہ اس لفظ سے بنے ہوئے درجنوں الفاظ کی تفہیم پر قابو پالے گا۔ اس سے زباندانی میں بچوں کو جو مدد ملے گی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان کے ذخیرہ الفاظ میں تیزی سے اضافہ ہو گا۔ ان میں خوداعتمادی پیدا ہوگی۔ وقت کم لگے گا۔ اور معلم یا لغت سے مدد لئے بغیر بھی طلبہ اس قسم کے لفظوں کے معنی تک پہنچ جائیں گے۔ جو لوگ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ ع کو خارج کر کے "ع" والے الفاظ بھی "ا" سے لکھے جائیں۔ اس تبدیلی سے پیدا ہونے والی مشکلات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اگر

"علم" اور "عقل" کو "ا" سے لکھیں تو "الم" اور "اقل" ہو جائیں گے، الم اور اقل کے لفظ خود عربی کے ہیں اور اردو میں مستعمل ہیں مثلاً "رنج والم" اور "ذو ضعافت اقل" ہیں اسی طرح علیم اور عقلیت کو "ا" سے لکھا جائے تو ان کی صورت "الیم" اور "اقلیت" کی ہو جائیگی مشکل یہ ہے کہ یہ الفاظ بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ اس سے کتنی دشواریوں کا سامنا کرنا ہوگا "ا" اور "ع" کے استعمال سے تو آدمی ان کے معنیٰ میں فرق کر لیتا ہے لیکن جب یہ فرق مٹ جائے گا تو جگہ جگہ معنی کی تفہیم میں الجھن پیدا ہوگی اگر دو چار الفاظ کا مسئلہ ہوتا تو کہہ دیا جاتا کہ کچھ دنوں بعد بچے معنی کے تعلق سے ان پر قابو پالیں گے لیکن اردو میں ہم صورت یا متشابہ الصوت الفاظ کثرت سے ہیں اور املا کا فرق ختم ہو جائے ان کے معنی متاثر ہوں گے یعنی جب

امل و عمل، تعمل و تامل، امارت و عمارت، توسل و توصل، سدا و صدا، سفر و صفر، مأثوم و معصوم، ثواب وصواب، تذیر و نظیر، ظرف و ذرف، ظن و زن، کسرت و کثرت، عام اور آم، لعل اور لال، سر پر اور صر بر، نال اور نعل، جعل اور جال، باد اور بعد، باز اور بعض، عرض اور ارض، حال اور ہال، جالی جعلی، صورت اور سورت مامور اور معمور، تانا اور طعنہ، موکی اور زکی۔ وغیرہ کے املوں میں یکسانگی پیدا ہو جائے گی تو صرف یہی نہیں کہ ان کے ماخذ کا پتہ لگانا مشکل ہوگا بلکہ ان کے معنیٰ تک پہونچنے میں بھی دقت ہوگی۔

بالفرض اس تجویز کو قبول بھی کر لیا جائے تو اردو جس بلند منزل پر پہونچ گئی ہے اس میں یہ تبدیلی خوشگوار ثابت ہوگی، اس وقت کروڑوں آدمی ہیں جو صرف املا دیکھ کر لفظوں کی قرائت روانی اور تیزی سے کر لیتے ہیں یعنی ان کی نظریں الفاظ کو خاص خاص املوں میں دیکھنے کی عادی ہو چکی لیکن جب

حضرت کو ہزرت

صاحب کو ساہب

حفیظ کو ہفیز

طرح کو ترہ

عرض کو ارز۔

وغیرہ کی صورت میں دیکھیں گے تو انہیں ایک طرح کی الجھن ہو گی اور پوری روانی کے ساتھ عبارت کو نہ پڑھ سکیں گے۔ جو لوگ خارج شدہ حروف کی شکلوں سے یکسر ناواقف ہوں گے۔ وہ شاید اس کی مشق بہم پہنچالیں لیکن عربی اور قرآن سے جو رشتہ استوار ہے وہ ختم ہو جائے گا۔

علاوہ ازیں جس وقت اردو حروف تہجی سے مندرجہ بالا آٹھ آوازیں خارج کر دی جائیں گی۔ اور لفظ کے تلفظ یا آواز دینے والے حروف و حرکت ہی کی بنیاد پر اس کا املا لکھا جائے گا۔ تو اردو کے ہزاروں الفاظ کی ظاہری صورت مسخ ہو کر کچھ سے کچھ ہو جائے گی۔

۱۔ فی الحال کو فلحال۔ فی الواقع کو فلواقع اور فی الوقت کو فلوقت لکھا جائیگا۔

۲۔ عبدالرشید، خواہش و الصلواۃ کو عبدرشید، خاہش اور سلات لکھا جاتے گا۔

۳۔ سمیع، سیحع اور وقیع وغیرہ اور سمی، سبجی، وقبی ہو جائیں گے۔

۴۔ رکعت، وقعت، بدعت وغیرہ کا لکھنا مشکل ہو جائے گا اور اگر لکھا گیا۔ وہ رکات، وقات اور بدات ہو جائیں گے اس لئے کہ "ع" کی جگہ الف استعمال ہو گا۔

۵۔ قاعدہ، مشاعرہ اور معمر وغیرہ کو قاادہ، مشاارہ اور مامر لکھا جائے گا۔

۶۔ عربی کے مروجہ الفاظ شریف "مجید" وغیرہ کو شریفن، مجیدن لکھا جاتے گا۔

۷۔ فوراً۔ ابتداً، رسماً وغیرہ کا املا فورن، ابداان اور رسمن ہو جائے گا۔

۸۔ عیسیٰ۔ توسیع، اسماعیل وغیرہ، الیا، توسی اور اسماایل میں بدل جائیں گے۔

غرضکہ لاکھوں الفاظ کا املا بدل جائے گا۔ اور اردو زبان و ادب کا چار سو سالہ ذخیرہ خاک میں مل جائے گا۔ نہ کوئی اس کا پڑھنے والا ہو گا نہ لکھنے والا۔ سارے کتبخانوں اور علمی و ادبی ذخیروں کو دریا برد کر کے ایک نئی زبان کے لئے کام شروع کرنا ہو گا۔ ہم بتا چکے ہیں زبان اور رسم الخط کی ترقی و تبدیلی عام طور پر، زندگی کے تقاضوں کے مطابق خود بخود ہوتی رہتی ہے۔ کسی شخص یا گروہ کی شعوری کوشش اس پر بہت کم اثر انداز ہوتی ہے۔ بفرض محال ایسی کوشش کی بھی جائے تو صدیوں کے بعد بار آور ہونے کے امکان ہو سکتے ہیں۔

ایک عمر چاہیئے کہ گوارا ہو نیش عشق
رکھی ہے آج لذت زخم جگر کہاں!

آج کا ایٹمی دور بھلا اس کی اجازت کہاں دے گا؟ زبان رسم الخط کی تبدیلی کے ساتھ ہی ہمارا ثقافتی و تہذیبی سرمایہ خود اپنے ہاتھوں خاک میں مل جائے گا۔ تجربہ کرنا ہو تو کسی علمی و ادبی کتاب کا ایک پیراگراف لے لیجئے اور اسے نئے املا کے مطابق لکھ کر دوبارہ پڑھنے کی کوشش کیجئے، وہ پیراگراف آپ کی نظروں کیلئے اتنا اجنبی ہو گا کہ پڑھنا مشکل ہو جائے گا ایسی صورت میں اردو رسم الخط کو معمولی وقتوں کی وجہ سے بدلنا اور اردو کی لاکھوں علمی و ادبی کتابوں کو نئی نسل کے لئے مہمل بنانا کہاں کی دانشمندی ہو گی۔

اردو رسم الخط کی اصلاح کے سلسلے میں دوسری تجویز یہ پیش کی جاتی کہ موجودہ رسم الخط رومن رسم الخط سے بدل دیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اردو زبان وہی رہے جو ہم لکھتے پڑھتے اور بولتے ہیں لیکن اسے اب، پ، ت وغیرہ کے بجائے D، C، B، A وغیرہ کے حروف میں لکھا جائے۔

رومن رسم الخط کی تائید میں جو باتیں اردو کے حق میں کہی جاتی ہیں وہ یہ ہیں کہ اگر رومن کو اپنا لیا گیا تو اردو املا آسان ہو جائے گا۔ بین الاقوامی اتحاد میں اس سے مدد ملے گی۔ علمی و ادبی ذخیرہ میں اضافہ ہو گا۔ اور اردو تیزی سے ترقی کر کے دنیا کی بڑی زبانوں میں شمار ہونے لگے گی۔

یہ باتیں جتنی آسانی سے کہدی گئی ہیں اتنی آسانی سے ہاتھ آنے والی نہیں ہیں۔ ہم پچھلی سطور میں وضاحت سے بتا چکے ہیں کہ زبان اور رسم الخط میں جسم و جان کا تعلق ہوتا ہے وہ ساتھ ساتھ جی سکتے ہیں اس لئے انھیں ایک دوسرے سے الگ کرنا ان کے ساتھ کھلی دشمنی ہو گی۔ ہم یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ اردو میں حروف کی تعداد پچاس سے زیادہ اور رومن میں صرف ۲۶ ہے ظاہر ہے کہ چھبیس ۲۶ آوازیں کسی طرح بھی پچاس آوازوں کی نمائندگی نہیں کر سکتیں مثلاً

"چ" اور "ش" کی آوازوں کے لئے رومن میں کوئی حرف نہیں ہے۔ حالانکہ یہ

آوازیں (PICTURE AND ADMISSION) وغیرہ قسم کے ہزاروں الفاظ میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن یہ طے کرنا مشکل ہے کہ کن کن حروف سے یہ آوازیں پیدا ہوں گی۔

CHRISTIAN MATCH MIXTURE

میں "چ" کی آواز الگ الگ طریقوں سے پیدا کی گئی ہے۔ "ش" کی آواز آٹھ دس طریقوں سے پیدا کی جاتی ہے۔ یہی حال دوسری آوازوں کا ہے۔ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس رسم الخط میں اردو کا لکھنا کتنا مشکل ہوگا؟

سب جانتے ہیں کہ رومن میں حروف کی رسم الخط آوازوں اور الفاظ کے تلفظ کا کوئی مستقل نظام نہیں ہے۔ ہر لفظ کی اسپیلنگ ازبر کرنی پڑتی ہے۔ ایسی صورت میں اردو کو رومن میں لکھ کر اس کے اصل تلفظ اور لہجے کو برقرار رکھنا مشکل ہوگا۔ سینکڑوں الفاظ کا تلفظ مسخ ہوگا۔

علاوہ ازیں اردو میں عربی اور ہندی کی آوازیں بہت سی شامل ہیں ان آوازوں کو علامتوں کے ذریعہ ہم پہچان لیتے ہیں کہ کون لفظ کس زبان سے آیا ہے مثلاً ڑ، بھ پھ، کھ وغیرہ کو لے لیجئے۔ جن لفظوں میں یہ آوازیں اور ان کے نمائندہ حروف آئیں گے وہ ہندی اور عربی زبانوں کے لفظ ہوں گے رومن میں ان کی آوازیں کہاں سے لائی جائیں گی۔؟ اور بالفرض اگر انہیں ظاہر بھی کیا جائے تو وہ علامتیں کہاں ہوں گی جن کے ذریعے ان کے لسانی رشتے کی شناخت کر لی جاتی ہے۔ غرض کہ اردو کو رومن رسم الخط میں اوّل تو لکھا ہی نہیں جا سکتا اور اگر ایسا کیا جائے تو اس سے فائدہ کے بجائے سخت نقصان پہنچے گا۔

اردو کے پارکھوں اور زبان کے عالموں نے اس مسئلے پر ٹھنڈے دل سے غور کیا ہے اور بار بار سوچا ہے تائید و تردید کی دلیلوں کو نظر میں رکھا ہے سود و زیاں کے تناسب کا اندازہ کیا ہے اور آخر کار پر زور طریقے سے رومن رسم الخط کی مخالفت کی ہے ان کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ رومن رسم الخط میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ اس میں اردو زبان کی ساری

آوازیں ادا کی جاسکیں۔

۲۔ رومن میں تلفظ اور ہجے کی مشکلات اتنی زیادہ ہیں کہ اس کے ذریعے اردو لکھنا پڑھنا آسان ہونے کے بجائے اور مشکل ہو جائے گا۔

۳۔ رومن رسم الخط اردو رسم الخط کے مقابلے میں زیادہ جگہ گھیرتا ہے۔ چنانچہ اس سے کتاب کا حجم خواہ مخواہ بڑھے گا اور لاگت زیادہ آئے گی۔

۴۔ اردو رسم الخط کا فارسی اور عربی سے گہرا رشتہ ہے۔ رومن کو اپنانے سے یہ رشتہ ختم ہو جائے گا۔ اور ہمارے ثقافتی و تہذیبی مشترک سرمایہ کو نقصان پہنچے عربی زبان سے ہم دور ہو جائیں گے اور اس کے سیکھنے میں ہمیں بڑی دقت ہوگی۔

۵۔ ہمارے اسلاف نے تحریری شکل میں جو کارنامے یادگار چھوڑے ہیں ان سے ہمارا رشتہ منقطع ہو جائے گا۔ اور ہم اپنی جڑوں کو کاٹ کر من حیث القوم زندہ نہ رہ سکیں گے۔

یہ ہیں وہ اسباب جن کے تحت آل پاکستان اردو تدریس کانفرنس منعقدہ کراچی ۲۶ تا ۳۰ دسمبر ۱۹۶۱ء میں متفقہ طور پر رومن رسم الخط کی تجویز رد کی گئی تھی اور اسے اردو زبان کے وجود کے لئے خطرہ بتایا گیا تھا۔ واقعہ بھی یہی ہے رومن رسم الخط اپنے ناقص صوتیات کے تحت اردو الفاظ کے تلفظ کی ضمانت نہیں دے سکتا ہر لفظ اس طرح مسخ ہوگا کہ اس کا صحیح پڑھنا مشکل ہو جائے گا۔ اردو کیا خود انگریزی الفاظ کا تلفظ رومن رسم الخط کی پیچیدگی کے سبب، صحت کے ساتھ ادا نہیں ہو سکتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر مستند لغت میں ہر لفظ کے ساتھ اس کا صحیح تلفظ قوسین کے اندر لکھ دیا جاتا ہے۔

برنارڈ شاہ نے رومن رسم الخط کی اس خرابی کے سبب اس میں اصلاح کی تجویز پیش کی تھی، انھوں نے سات سو الفاظ تیار کر کے ماہرین انگریزی کو دیئے تھے اور کہا تھا کہ اس نہج پر انگریزی رسم الخط کی از سر نو تشکیل کی جائے اور جن آوازوں کے لئے رومن میں حروف نہیں ہیں ان کے لئے حروف ایجاد کئے جائیں۔ چنانچہ ماہرین زبان کی ایک جماعت

نے برنارڈ شاہ کی تجویز پر سنجیدگی سے غور کر کے اسے قبول بھی کر لیا تھا۔ لیکن جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں بتا چکے ہیں۔ کسی زبان کا رسم الخط خواہ کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہو اسے بدلنا یا اس میں تبدیلی لانا جس سے ماضی کے علمی وادبی سرمایہ کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو بہت مشکل کام ہے۔ چنانچہ رومن رسم الخط اپنی ہزار خرابیوں کے باوجود اپنی پرانی ڈگر ہی پر قائم ہے۔

ان مباحث کی روشنی میں جو لوگ رومن رسم الخط کو اردو کے لئے تجویز کر رہے ہیں وہ بالغ نظری کا ثبوت نہیں دے رہے ہیں۔ ان کی نظر میں اس تبدیلی کے وہ مضر نتائج نہیں ہیں۔ جن کا اوپر مفصل ذکر کیا گیا ہے اور اگر ان نتائج سے باخبر ہوتے ہوئے بھی وہ رومن رسم الخط کی تائید کر رہے ہیں تو یہی کہنا پڑے گا کہ وہ اردو کے دوست نہیں دشمن ہیں۔

اردو رسم الخط کے سلسلے میں یہ بات بھی اکثر زیر بحث رہتی ہے کہ نستعلیق کو اپنایا جائے یا نسخ کو۔ اب تک نستعلیق اور نسخ دونوں ساتھ ساتھ چلتے رہے ہیں۔ لیکن بہ حیثیت مجموعی زیادہ توجہ نستعلیق پر دی گئی ہے۔ اور کتابوں کی طباعت عموماً اسی میں ہوئی ہے۔ نظام تعلیم میں بھی کسی خاص خط کو مستقلاً نہیں اپنایا گیا۔ کبھی نسخ کا انتخاب کیا گیا ہے کبھی نستعلیق کا کبھی ایک ہی نصابی کتاب نصف نستعلیق میں چھاپی گئی ہے اور نصف نسخ میں۔ اس شتر گربگی کا یہ نتیجہ ہوا کہ نہ تو طلبہ کسی خط پر عبور حاصل کر سکے اور نہ طباعت کا کام فروغ پا سکا بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ نسخ اور نستعلیق کے انتخاب کے مسئلے نے اردو کی اشاعت میں بڑی رکاوٹ ڈالی۔

نسخ اور نستعلیق میں سے کس خط کو اپنانا چاہئے اور کیوں اپنانا چاہئے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں خطوں کے بارے میں بنیادی باتیں معلوم کر لی جائیں۔

خط نسخ، سامی زبانوں، خاص طور پر عربی رسم الخط کی وہ ترقی یافتہ صورت ہے جس کی ایجاد کا سہرا ابن مقلہ کے سر ہے۔ ابن مقلہ ۲۷۲ھ میں پیدا ہوا۔ خلیفۃ القاہر باللہ عباسی کا وزیر رہا اور ۳۱۰ھ کے قریب اس نے جدید خط کوفی اور معقلی کے امتزاج سے ایک نیا خط

نسخ کے نام سے رائج کیا۔ عہد وزارت میں اس نے خلیفہ وقت کے خلاف سازش کی۔ گرفتار کیا گیا اور اس کا دایاں ہاتھ اور زبان کاٹ دی گئی۔ تقریباً ۵۶ سال کی عمر میں ۳۲۸ھ میں انتقال کیا۔ ابن مقلہ کا کمال یہ تھا کہ جب دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا تو وہ کہنی میں کھپچی باندھ کر لکھتا تھا۔ اور لاجواب لکھتا تھا۔ اس نے ایک روشنائی بھی ایجاد کی تھی اور اس سے اس کا خط مزید روشن ہو جاتا تھا۔

خط نسخ کو مزید سنوارنے بنانے کا کام ابن بواب اور یاقوت نامی خطاطوں نے کیا، ابن بواب نسخ کا مشہور ترین خطاط تھا۔ وہ ابن مقلہ کی وفات سے تقریباً ۴۸ سال بعد پیدا ہوا اور خطاطی میں نام روشن کر کے ۴۱۳ھ مطابق ۱۰۳۱ء کے لگ بھگ بغداد میں وفات پائی۔ ابن بواب کے بعد یاقوت کے نام کے تین خطاطوں نے نسخ میں نام پایا اور آخری یاقوت متوفی ۱۲۹۹ء مطابق ۶۹۸ھ نے خط نسخ کو حد کمال تک پہنچا دیا۔

"خط نسخ" ترچھے حروف میں لکھا جاتا ہے۔ نسخ کا ہر دائرہ شروع سے آخر تک یکساں ہوتا ہے اور حرفوں میں کسی قدر ناہمواری پائی جاتی ہے یعنی دائرے گول ہونے کے بجائے اپنا نچلا حصہ چپٹا رکھتے ہیں جن کی وجہ سے ان میں زاویے پیدا ہو جاتے ہیں یہ خط ٹائپ کے لئے نہایت موزوں ہے چونکہ قرآن بھی اسی رسم الخط میں لکھا جاتا ہے اس لئے اسے قرآنی رسم الخط بھی کہتے ہیں عربی اور فارسی میں اسی رسم الخط کو اپنا لیا گیا ہے۔ نتیجتہً ٹائپ اور طباعت کی مشکلات پر قابو پا لیا گیا ہے اور نسخ ٹائپ میں اعلیٰ درجہ کی کتابیں شائع ہوتی رہتی ہیں۔

"نستعلیق" کا لفظ "نسخ" اور "تعلیق" سے مرکب ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امیر علی تبریزی نے ان دونوں خطوں کو ملا کر ایک نیا خط ایجاد کیا۔ "نسخ" کا "خ" ثقالت کے سبب غائب ہو گیا اور اس نئے خط کا نام "نستعلیق" پڑ گیا۔ نستعلیق ایرانیوں کی ایجاد ہے اور ان کی لطافت طبع و خوش ذوقی پر دلالت کرتا ہے اس میں مصورانہ شان اور نقاشی کا بانکپن ہے۔ اس کے حروف کی نوکیں، گردنیں اور نیچے کا حصہ باریک ہوتا ہے، دائرے خوشنما اور گول ہوتے ہیں، صحت تلفظ کے لئے اعراب (زبر، زیر، پیش) کا استعمال ان کے حسن کو کچھ اور بڑھا دیتا ہے۔ لیکن اردو والے دونوں خطوں سے شناسا ہیں اور دونوں کا لکھنا پڑھنا ان کے لئے کچھ ایسا مشکل نہیں ہے۔ لیکن ٹائپ اور طباعت کے لئے نستعلیق اتنا کارآمد نہیں جتنا کہ نسخ ہے۔

بقول ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی، نستعلیق حروف ٹائپ کی کلید (KEYBOARD) کے لئے کچھ زیادہ موزوں نہیں ہیں۔ وہ طباعت و اشاعت کے سلسلے کی جدید مشینی ضرورتوں کو پورا نہیں کرتے، اسکے دائرے، شوشے، کرسی اور نشست قائم رکھنے کے لئے ٹائپ کے اتنے جوڑوں سے واسطہ پڑتا ہے کہ کمپوزنگ میں ہاتھ آسانی اور تیزی سے نہیں چلتا۔ ٹائپ میں بھی یہی دقت ہے دوسری خرابی یہ ہے کہ نستعلیق کے خوبصورت شوشے اور دائرے مشین میں جلد ٹوٹ جاتے ہیں اگر انھیں مضبوط بنانے کے لئے عام سیسے کی جگہ کوئی اور مضبوط دھات استعمال کریں تو خرچ زیادہ ہوگا اور کاروباری نقطہ نظر سے مفید و مقبول نہ ہوگا۔ نستعلیق اس وقت تک تھا جب تک لیتھو یعنی پتھر کی چھپائی کا رواج تھا اور کاتب عبارت کو ہاتھ سے لکھتا تھا۔ مشینی دور میں لیتھو کی چھپائی عام طباعت کے لئے اختیار نہیں کی جاسکتی۔ ایک تو اس میں دیر لگتی ہے دوسرے بڑی تعداد میں طباعت نہیں ہوسکتی، حرف اُڑنے لگتے ہیں، موسم کا اثر پڑتا ہے۔ مختلف کاتبوں کی وجہ سے یکسانگی نہیں رہتی۔ غلطیوں کی اصلاح میں دقّت ہوتی ہے۔"

اس تفصیل سے اندازہ ہوا ہوگا کہ خط نستعلیق، دورِ حاضر کی مشینی طباعت کا ساتھ پوری طرح نہیں دے سکتا۔ یہ ضرور ہے کہ نستعلیق حروف کے ٹائپ اب سے بہت پہلے حیدرآباد میں تیار کئے گئے تھے اور طباعت کا کام بھی لیا گیا تھا لیکن آخر اس کی مشکلات محسوس ہونے لگیں اور عہد حاضر کے برق رفتار زمانے کے لئے ناکام قرار پایا۔ ایسی صورت میں نسخ ہی کو اپنانے سے اردو کی ترقی کے امکانات روشن ہوسکتے ہیں۔ نستعلیق کی دیدہ زیبی کا سب کو اعتراف ہے لیکن محض آرائش سے کام نہیں چل سکتا خط کے افادی پہلو کو بھی پوری طرح نظر میں رکھنا ہوگا۔

"خط نسخ" اردو داں طبقہ کے لئے اجنبی نہیں ہے۔ ہزاروں کتابیں خط نسخ میں پہلے بھی چھاپی گئی ہیں اور آج بھی چھاپی جارہی ہیں۔ خاص طور پر عربی و فارسی نے نسخ کو اپنا کر طباعت ڈٹائپ کے کام کو جس قدر آسان اور تیز تر بنا دیا ہے، وہ ہمارے آپ کے سامنے کی بات ہے، چنانچہ مزید وقت ضائع کئے بغیر اُردو کے لئے نسخ کو اپنا لینا مناسب ہوگا۔ جیسا کہ ابھی کہا جاچکا ہے خط نسخ ہمارے لئے نیا نہیں ہے۔ قرآن کے توسط سے چھوٹے بڑے سبھی اس سے آشنا ہیں۔ عربی و فارسی ہی میں نہیں خود اُردو میں نسخ کے نہایت کامیاب تجربے کئے جاچکے ہیں۔ سرسید تحریک کا

آرگن "علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ" نسخ ٹائپ میں شائع ہوتا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا الہلال اور مولانا محمد علی جوہر کا ہمدرد، نسخ ٹائپ ہی میں نکلتا تھا۔ یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو خط نسخ کی تائید میں جاتی ہیں۔ چنانچہ اگر ہمیں اُردو کو واقعی ترقی دینا ہے تو مزید بحثوں میں پڑنے کے بجائے متفقہ طور پر اُردو کی طباعت واشاعت کے لئے نسخ ٹائپ کو اپنا لینا چاہیئے۔

لیکن محض نسخ کو اپنا لینے سے اُردو ٹائپ اور طباعت کی اصل دقتیں دور نہیں ہو سکتیں، اُردو ٹائپ رائٹر چونکہ کم بنتے ہیں اور کم بکتے ہیں۔ اس لئے گراں ملتے ہیں اس لئے ان پر لاگت بھی زیادہ آتی ہے۔ یہی صورت طباعت کی ہے۔ نتیجتہً اُردو کتابوں کی طباعت واشاعت اس تیز رفتاری کے ساتھ ممکن نہیں جو انگریزی یا فارسی وعربی کو میسّر ہے۔ اس سلسلے میں نسخ کو اپنانے کے ساتھ ضرورت اس بات کی ہوگی کہ ٹائپ رائٹر بنانے والوں کے ساتھ حکومت ترجیحی سلوک کرے یعنی انھیں ہر طرح کی سہولت بہم پہنچائے اور کام کرنے والوں کی ہمت افزائی کرے۔ ٹائپ نویسوں کی تعلیم و تربیت کے لئے انسٹی ٹیوٹ کھولے جائیں اور ٹائپ نویسی کو پبلک کے لئے ارزاں بنایا جائے۔ لیکن ان اقدامات سے بھی پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ سرکاری و نیم سرکاری اداروں، عدالتوں دفتروں اور کاروباری حلقوں میں اُردو ٹائپ کو مروج کرنے اور انگریزی کی جگہ قومی زبان اُردو کو اپنانے کے احکامات جاری کئے جائیں ساری خط وکتابت اردو میں کی جائے۔ ہر قسم کی ملازمتوں کے امتحانات میں اردو کو ذریعۂ جوابات بنایا جائے۔ زبانی اور تحریری دونوں قسم کے امتحانوں میں اُردو کو انگریزی پر ترجیح دی جائے جب تک ایسا نہ کیا جائے گا اردو حقیقی ترقی سے محروم رہے گی، نہ ٹائپ مقبول ہوگا نہ اس کی طباعت۔ انھیں مقبول اور ارزاں بنانے کے لئے زندگی کے ہر شعبے میں اُردو کو عملاً نافذ کرنا ہوگا۔

ماخذ

ابواللیث صدیقی ڈاکٹر — جامع القواعد (حصہ صرف) مرکزی اردو بورڈ لاہور سنہ ۱۹۷۱ء

ادب ولسانیات - اردو اکیڈمی سندھ کراچی سنہ ۱۹۷۰ء

احسن مارہروی مولانا — رسالہ فصیح الملک - مئی سنہ ۱۹۰۵ء

احتشام حسین پروفیسر — نگار (لکھنؤ) جون سنہ ۱۹۵۱ء

آمنہ خاتون ڈاکٹر — اردو نامہ کراچی شمارہ ۱۷ سنہ ۱۹۶۴ء

انشاء اللہ خاں — دریائے لطافت (اردو ترجمہ) انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۳۵ء

برج موہن دتاتریہ کیفی — کیفیہ مکتبہ معین الادب لاہور سنہ ۱۹۵۰ء

جلال الدین جعفری — افضل القواعد الہ آباد (یو-پی) سنہ ۱۹۳۱ء

جوش ملیح آبادی — اردو نامہ کراچی شمارہ (۵) سنہ ۱۹۶۱ء

حامد حسن قادری مولانا — خاور (ڈھاکا) جولائی سنہ ۱۹۵۲ء

حمید الدین شاہد خواجہ — اردو نامہ شمارہ (۲) سنہ ۱۹۶۱ء

خلیق نقوی — اردو نامہ شمارہ (۱) سنہ ۱۹۶۰ء

خواجہ احمد فاروقی ڈاکٹر — اردوئے معلیٰ (لسانیات نمبر) دہلی سنہ ۱۹۶۲ء

رشید حسن خاں — اردو نامہ شمارہ (۲۹) سنہ ۱۹۶۷ء

سردار محمد خاں — کلیاتی اصواتیات - مکتبہ دانش، راولپنڈی سنہ ۱۹۷۲ء

سرسید احمد خاں — مقالات سرسید جلد ہفتم مجلس ترقی ادب لاہور سنہ ۱۹۶۲ء

سکریٹری سندھ ٹکسٹ بک بورڈ — قومی زبان بابت مارچ سنہ ۱۹۷۴ء

شوکت سبزواری ڈاکٹر — اردو نامہ شمارہ (۱۸) سنہ ۱۹۶۴ء

نگار (لکھنؤ) اگست سنہ ۱۹۵۱ء

شوکت سبزواری ڈاکٹر	اردو زبان کا ارتقا مکتبہ گہوارۂ ادب ڈھاکا	سنہ ۱۹۵۶ء
شہاب سرمدی	اردو نامہ شمارہ (۱) کراچی	سنہ ۱۹۶۱ء
عبدالحق مولوی	قواعد اردو انجمن ترقی اردو کراچی	سنہ ۱۹۵۱ء
عبدالحق مولوی	خطبات عبدالحق انجمن ترقی اردو کراچی	سنہ ۱۹۵۲
عبدالستار صدیقی ڈاکٹر	خاور (ڈھاکا) جولائی	سنہ ۱۹۵۲
	رسالہ اردو اکتوبر	سنہ ۱۹۳۳ء
	رسالہ اردو جنوری	سنہ ۱۹۴۴ء
	رسالہ ہندوستانی جنوری	سنہ ۱۹۳۱ء
	رسالہ ہندوستانی جولائی	سنہ ۱۹۳۸ء
	اردو نامہ شمارہ (۵)	سنہ ۱۹۶۱ء
عندلیب شادانی ڈاکٹر	خاور (ڈھاکا) مئی	سنہ ۱۹۵۳ء
غالب اسد اللہ خاں	اردوئے معلیٰ جلد دوم مجلس ترقی ادب لاہور	سنہ ۱۹۷۰ء
غضنفر حبیب اللہ پروفیسر	اردو نامہ شمارہ (۲۲)	سنہ ۱۹۶۵ء
غلام مصطفیٰ خاں ڈاکٹر	جامع القواعد (حصہ نحو) مرکزی اردو بورڈ لاہور	سنہ ۱۹۷۳ء
غلام رسول	اردو املا حیدرآباد دکن	سنہ ۱۹۶۰ء
	اردو نامہ شمارہ (۶)	سنہ ۱۹۶۱ء
	اوقاف قومی زبان جون	سنہ ۱۹۷۴ء
فتح محمد جالندھری	مصباح القواعد دارالادب کراچی	سنہ ۱۳۷۰ھ
فرمان فتح پوری ڈاکٹر	زبان اور اردو زبان۔ قمر کتاب گھر اردو بازار کراچی	سنہ ۱۹۷۲ء
قدرت نقوی	اردو املا غیر مطبوعہ مضمون مرقومہ	سنہ ۱۹۷۳ء
گلچیں کرناٹی حکیم	آدابِ اُردو اردو مشن ملتان	سنہ ۱۹۶۶ء
گارساں دتاسی	خطبات گارساں دتاسی (حصہ دوم) انجمن ترقی اردو کراچی	سنہ ۱۹۷۰ء طبع دوم
	مقدمہ تاریخ ادب ہندوستانی (اردو ترجمہ قلمی) مخزونہ ڈاکٹر محمود حسین لائبریری جامعہ کراچی	
مختار احمد سید اور مولانا ذہین	قاموس الاغلاط مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن	

مسعود حسن رضوی پروفیسر	اردو زبان اور اس کا رسم الخط کتاب نگر لکھنؤ سنہ ۱۹۶۱ء
معین الدین دردائی پروفیسر	لسانی مطالعے مجلس دانشوراں لاہور سنہ ۱۹۷۰ء
نیاز فتح پوری علامہ	نگار لکھنؤ جون جولائی سنہ ۱۹۳۶ء
وارث سرہندی	اردو نامہ شمارہ (۲۰) سنہ ۱۹۶۵ء
وحیدالدین سلیم	وضع اصطلاحات، انجمن ترقی اردو کراچی سنہ ۱۹۶۴ء
ہارون خاں شروانی	رسالہ اردو اکتوبر سنہ ۱۹۲۲ء
ہاشمی عبدالقدوس	رومن رسم الخط اور پاکستان، پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی سن
یوسف بخاری سید	خطاطی اور ہمارا رسم الخط، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی سنہ ۱۹۵۹ء



بابائے اُردو کے بارے میں ہماری اہم کتابیں:

ذکرِ عبدالحق

— ڈاکٹر سید معین الرحمٰن —

"ذکرِ عبدالحق" کو دیکھ کر ایسی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھا معین صاحب نے اُن تمام اُمور کا بڑی خوب صورتی سے احاطہ کیا ہے، جن کے بغیر عبدالحق کی داستان مکمل نہیں ہو سکتی۔

— مشفق خواجہ

ذکرِ عبدالحق کو پڑھا، پُرانی یادیں تازہ ہوگئیں، یادوں پر دُکھی ہوا، آپ کے کام پر خوش ہُوا۔ آپ نے بڑا کام کیا ہے اور بہت ہی اچھے پیرائے اور انداز میں کتاب کو تالیف کیا ہے۔

— پیر سید حسام الدین راشدی

نقدِ عبدالحق

— ڈاکٹر سید معین الرحمٰن —

سید معین الرحمٰن صاحب نے "نقدِ عبدالحق" مُرتب کر کے اَدب کی ایک قابلِ قدر خدمت انجام دی ہے۔ اس کی بدولت بابائے اُردو کی تحقیق، تنقید، سیرت نگاری، نیز اُن کی تحریروں کے اَدبی محاسن پر بیک وقت اُردو کے نامور اہلِ قلم کے اَفکار سے مُستفید ہونے کا موقع مل جاتا ہے۔

— ڈاکٹر عندلیب شادانی

یہ کتاب کیا ہے، مولوی عبدالحق مرحوم کے بارے میں معلومات کا ایک خزانہ ہے!

— ڈاکٹر عبادت بریلوی

بابائے اُردو: احوال و افکار

— ڈاکٹر سید معین الرحمٰن —

مولوی عبدالحق پر آئندہ کام کرنے والوں کے لیے یہ تالیف رہنمائے خاص کی حیثیت رکھے گی۔

— نیاز فتح پوری

فرموداتِ عبدالحق

— ڈاکٹر سید معین الرحمٰن —

مولوی صاحب کے فرمودات سے اُن کی سیرت، شخصیت، نُقطۂ نظر، وُسعتِ علم، اصابتِ فکر صفات کے مختلف پہلو سامنے (آتے ہیں) اور یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ اعلیٰ شخصیت ا انشاپردازی کس طرح ایک دوسرے سے نشوونما پاتے اور ایک دوسرے کو جلا دیتے ہیں۔

— رشید احمد صدیقی

سنگِ میل پبلی کیشنز ○ چوک اُردو بازار، لاہور